

# اسلامی بینکاری اور سودی بینکاری میں فرق

کے حوالے سے بعض سوالات کے جوابات

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی کراچی

# کریڈٹ کارڈ

کی

تاریخ۔ تعارف۔ شرعی حیثیت

﴿مؤلف﴾

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز



ناشر

اسکالرز اکیڈمی

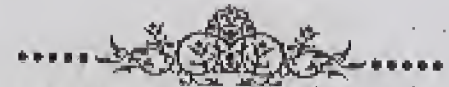
پوسٹ بکس نمبر ۷۷۷۷، گلشن اقبال، کراچی۔ ۷۵۳۰۰

اسلامی بینکاری

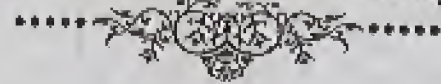
اور

سودی بینکاری میں فرق

کے حوالے سے بعض سوالات کے جوابات



پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز



ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی گزراچی

## جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب :	اسلامی بینکاری
مؤلف :	پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہناز
کمپوزنگ :	حافظ محمد ناجی سید (0300-3340980)
مکتبہ طبع و نشر :	دارالافتاء اسلامیہ
ناشر :	دارالافتاء اسلامیہ، کتب خانہ اکیڈمی، گلشن اقبال، پوسٹ مین ۷۷۷۷۷۷، کراچی۔
فون :	4583426 - 0333-2376985
تعداد :	۱۰۰۰
صفحات :	۵۶
قیمت :	۲۵ روپے

## ملنے کے پتے:

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، کراچی	فریدی بک اسٹال، اردو بازار، لاہور
فریدی بک سینٹر، اردو بازار، کراچی	علامہ غلام مصطفیٰ الدین، جامعہ نعیمیہ، گرمی شاہ، لاہور
مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی	مکتبہ تحفہ المصداق، جامعہ نظامیہ، ہادی گیت، لاہور
مکتبہ رشیدیہ، اول نیشنل، سہیلی منڈی، کراچی	اورنگی پبلی کیشنز، قلی بازار، دارالکتاب، گلشن روڈ، لاہور
مکتبہ فیض القرآن، اردو بازار، کراچی	مکتبہ رضویہ، دارالافتاء، دارالکتاب، لاہور
مکتبہ قادریہ، پرانی سہیلی منڈی، کراچی	مکتبہ ضیاء القرآن، گلشن روڈ، لاہور
مکتبہ کاروانی، نوردار، احلام قرآن، اسلام آباد	دارالعلوم، مکتبہ فریدی، پتہ پور، ضلع اوکاڑہ
کراچی۔	
احمد بک کارپوریشن، راولپنڈی	لٹان کتاب گھر، گلشن، ملتان
جہانگیر پبلی کیشنز، سرگودھا، فیصل آباد	نیا مکتبہ، ابدالی روڈ، پریس کلب، ملتان

## اسلامی بینکاری کو سمجھنے کیلئے چند سوالات اور ان کے جوابات

بعض حقوق کی جانب سے اسلامی بینکاری کے حوالہ سے بعض تحفظات کا اظہار کیا گیا ہے۔ عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کان ادھر سے چڑیں یا ادھر سے بات ایک ہی ہے اور سودی بینکوں اور اسلامی بینکوں کے نظام میں کوئی فرق نہیں بلکہ صرف نام کا فرق ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ خیر اسلامی نظام ہائے حکومت اور سودی مرکزی نظام معیشت کی موجودگی میں اسلامی بینکاری کے حوالہ سے تحفظات کا ہونا فطری بات ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ سودی بینکاری اور اسلامی بینکاری نظام میں بہت بڑی فرق ہے۔ اول الذکر سرمایہ فراہم کرتا ہے اور اس پر سود لیتا ہے جبکہ ثانی الذکر (اسلامی بینکاری) سرمایہ فراہم نہیں کرتا بلکہ کاروبار میں خود شریک ہو کر سرمایہ کاری کرتا ہے اور مال فراہم کر کے منافع کھاتا ہے۔

دنیا بھر کے نامور مسلم علماء جو فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ، مجمع الفقہ الاسلامی اور دیگر اسلامی فورمز پر سال ہا سال سے اسلامی بینکاری پر فقہی بحثیں و مباحثہ کرتے رہے ہیں اور جنہوں نے کافی غور و تدبر کے بعد اسلامی بینکاری کے خط و خال مرتب کئے ہیں ان کی فقہی آراء و فتویٰ کو اجتماعی اجتہاد کا درجہ حاصل ہے اور ان کی برس با برس کی محنتوں کے ثمرات آنا شروع ہو گئے ہیں۔ اب کوئی بھی مسلمان کسی بھی اسلامی بینک کے ذریعہ مشارکہ، مضاربہ، مرابحہ، مضمتہ، اجارہ اور مسامحہ کے شرعی طریقوں سے سرمایہ کاری اور کاروبار کر سکتا ہے۔ اسلامی بینکاری کرنے والے بینک اپنے اہداف کو اسلامی بینکاری کی خصوصی تربیت دے دیا رہے ہیں اور ملکی و بین الاقوامی سینئروں کے ذریعہ تاجر اور مذہبی طبقہ کے تحفظات کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔



ماورن اسلامک فقہ اکیڈمی کراچی کو مجتہد فقہ اسلامی کے قیام سے اسامی بیکار کی کے بارے میں مختلف اوقات میں مختلف استفادات موصول ہوئے رہے ہیں جن کے جوابات ہائی ڈاک سائلین کو در سال کے جاتے رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ گزارش بھی کی جاتی رہی ہے کہ مزید اطمینان کیلئے مقامی طور پر مفتیان کرام سے رہنمائی حاصل کی جائے اور اگر کسی سوال کے جواب میں کسی مفتی صاحب یا عالم دین کا کوئی احوال ہو تو سر میں مجتہد فقہ اسلامی کو مطلع فرمائے تاکہ تصحیح کی جاسکے۔ مگر ان جوابات پر کسی طرف سے کوئی احوال سامنے نہیں آیا۔ چنانچہ افتادہ عامہ کی خاطر ہمیں تنہائی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اہل علم ان استفادات کے حوالہ سے کسی مسئلہ میں کوئی متبادل نقطہ نظر رکھتے ہوں تو تصحیح کی غرض سے بذریعہ خط و کتابت ہماری رہنمائی فرما کر عند اللہ ماخوذ ہوں۔

ڈاکٹر نور احمد شاہ

ایڈیٹر ماہنامہ فقہ اسلامی

پوسٹ بکس نمبر ۷۷۷، گلشن اقبال، کراچی۔ ۷۵۳۰۰

۱۰ جنوری ۲۰۰۰ء

ربو کیا ہے؟

شخصی اور تجارتی قرضوں پر ربو (سود) کی وضاحت

س: بعض تاجر حضرات کا کہنا ہے اور یہاں لاہور میں ایک درس قرآن میں ایک ماورن عالم نے کہا کہ قرآن نے جس سود (ربو) کو حرام قرار دیا ہے وہ شخصی قرضوں پر سود ہے۔ جہاں تک تجارتی قرضوں کا تعلق ہے تو ان پر سودی بین دین کی ممانعت قرآن سے ثابت نہیں۔ براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں کہ یہ بات کس حد تک درست ہے۔

جواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم وہ مستعین۔ آپ کے سوال کا تعلق ربو سے ہے اور ربو کی تعریف جو قرآن کریم نے بیان کی ہے اس سے ہے اور اس کی جو تعبیر نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی اور جس پر گزشتہ چند صدیوں سے جمہور علماء کا اتفاق ہے اس سے ہے تو سب سے پہلے تو ربو کا حکم اور اس کی شرعی تعریف ملاحظہ فرمائیں:

اللہ جل مجدہ وعلا نے ربو کے بارے میں فرمایا: الذین یاکلون الربوا  
لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس ذلک  
بانہم قالوا انہا البیع مثل الربوا واخل اللہ البیع وحرم الربوا فمن  
جاہ موعظۃ من ربه فاننسی فله ما سلف وامره الی اللہ ومن عاد  
فلولتک اصحاب النار هم فیہا خالدون (۱) یمحق اللہ الربوا ویبری  
الصدقات واللہ لا یحب کل کفار اثم (۲)

تاریخ

يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقى من الربوا ان كنتم  
مؤمنين ( فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله وان تقيم  
عليكم رؤس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون ( ) .

ترجمہ آیات: ابولوگ جو سود کھاتے ہیں، قیامت کے روز ایسے کھڑے ہوں گے جیسے وہ شخص جسے آسیب نے چھو کر مفلوج الحواس بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے (ہوگا) کہ انہوں نے یہ کہا کہ فتح (خرید و فروخت) بھی سود ہی کی طرح ہے۔ جب کہ اللہ نے فتح کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ تو جسے اس کے رب کے ہاں سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو جو کچھ پہلے سود ملے چکا اس کی باز پرس نہ ہوگی۔ اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جو اب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہے۔ وہ اس میں بدقول رہے گا۔ اللہ برباد کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات و خیرات کو اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور بڑے گناہگار کو پسند نہیں فرماتا۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مومن ہو تو جو کچھ تمہارا سرور اور لوگوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر تیار ہو جاؤ اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کے لئے۔ نور اگر تم توبہ کر لو تو اپنا اصل زر واپس لے سکتے ہو۔ نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ کوئی تمہیں نقصان پہنچائے۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تأکلوا الربوا - یعنی اے اہل ایمان سورتہ  
 کما ذہبقرم یا واحل اللہ البیع و حرم الربوا  
 اور اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

تذکرہ حدیث شریف میں رہا کے بارے میں متعدد احادیث موجود ہیں۔

عن جابر رضي الله عنه قال : لعن رسول الله ﷺ آكل

الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال (هم سواء) رواه مسلم.

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سو کھانے والے پر اور سو کھلانے والے پر اور سو نگھنے والے پر اور سو کے معاملہ کی گواہی دینے والے پر اور فرمایا وہ اس (گنہگار) میں سب برابر ہیں۔

عالمی کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہر مسلمان کے لئے حلال ہو۔ سود کے حرام ہونے کی احادیث، صحاح ستہ میں، مستدرک میں، صحیح مسلم میں، والدارقطنی میں، مسند بزاز میں اور متفق پہنچتی وغیرہ میں موجود ہیں۔ ایک حدیث جو سود کے حلال ہونے کی احادیث میں سے ہے، وہ اس حدیث سے مستثنیٰ ہے۔

قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواء، بمسوا، يدا بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدا بيد (متفق عليه)

یعنی: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، ہونا سونے کے عوض چاندی چاندی کے عوض، گندم گندم کے عوض، جوہر جوہر کے عوض، سمجھو سمجھو کے عوض، اور نمک نمک کے عوض برابر برابر، دست بدست، بچو اور جب یہاں اس مختلف ہوں تو چھپا چاہو بچو جب کہ وہ دست بدست فروخت ہوں۔

شریعت اسلامیہ نے قرآن و سنت میں وارد تعریف ربوا کے پیش نظر آسان لفظوں میں اسے اس طرح بیان کیا ہے: الربوا فی الشرع عبارة عن فاضل مال لا يقابلہ عوض فی معاوضة مال بمال (حاشیہ ہدایہ) یعنی ربوا شریعت میں وہ مال فاضل ہے جس کا کوئی عوض نہ ہو۔ گویا ربوا مال پر ایسی زیادتی ہے جو بغیر کسی معاوضہ کے حاصل کی جائے۔

ربو کی ایک تعریف یوں بھی بیان کی گئی ہے: **زيادة احد البدلين المتجانسين من غير ان يقابل هذه الزيادة عوض**۔



یعنی اپنے تولد والی ہم جنس اشیاء بلا عوض زیادہ لینا ربوا (سود) ہے۔  
قرآن کریم کے نزول سے پہلے بھی عرب معاشرہ میں قرض پر لیا جانے والا  
معاشرہ ربوا کہلاتا تھا۔ خواہ یہ قرض ذاتی ضرورت کے لئے ہو یا تجارتی مقصد کے لئے۔  
(جواہر الفقہ ج ۳ ص ۳۴)

علامہ ابن رشد نے لکھا ہے: انفق العلماء على ان الربوا يوجد في  
شبهتين في البيع وفيها تنقور في الذمة من بيع او سلف او غير ذلك  
(بداية المجتهد ج ۷ ص ۱۰۶)

علامہ رازی فرماتے ہیں: اما ربوا النسيئة فهو الامر الذي كان  
مشهورا متعارفا في الجاهلية، وذلك بانهم كانوا يدفعون المال  
على ان يخذوا كل شهر قدر ما معينا ويكون راس المال باقيا ثم اذا  
حل الدين طالبوا المدين بمراس المال فان تعذر عليه الاداء زادوا  
في الحق وفي الاجل، (التفسير الكبير ج ۷ ص ۸۵)

زمانہ جاہلیت میں لوگ اس شرط پر قرض دیا کرتے کہ مقروض سے قرض کے  
عوض ہر ماہ یا ہر سال ایک معین رقم لیا کریں گے، اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہتی،  
مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرنا اگر مقروض اصل  
رقم نہ ادا کر سکتا تو قرض خواہ مدت بڑھا دیتا لیکن ساتھ ہی سود میں اضافہ کر دیتا تھا۔ زمانہ  
جاہلیت کے اس ادھار سود کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا۔

علامہ ابو بکر بھاسی فرماتے ہیں: والربوا الذي كانت العرب تعرفه  
وتفعله انها كان قرض الدراهم والدينار الى اجل بزيادة على مقدار  
ما استقرض على ما يقرضون به (احکام القرآن ج ۱ ص ۴۶۵)  
ربا کی وہ قسم جس کے بارے میں آپ نے سوال کیا ہے وہ تجارتی قرضوں پر  
سودی ہے اس کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں: واما ربوا البيوع فهو على

نوعين. ربوا النسيئة وربوا الفضل. اما ربوا النسيئة في البيوع  
فهو بيع ربوي ربوي نسيئة. وربوا الفضل هو بيع ربوي بمثلته مع  
زيادة في احد المثلين: الفقه الاسلامي وادلته، وهبه الزحيلي ج  
۴ ص ۶۶۱)

ربوا خواہ ذاتی قرض پر ہو یا تجارتی قرض پر ہر صورت حرام ہے۔ علامہ  
شراکئی فرماتے ہیں: والربوا بجميع انواعه حرام بالاتفاق سوى ما روي  
من خلاف عن ابن عباس في ربوا الفضل وقد نقل عنه انه رجع عن  
قوله. (ذیل الاوطار، للشوكاني ج ۵ ص ۲۰۳)

آپ نے جو پچھنا کہ تجارتی قرضوں پر سود کو ربوا نہیں کہا جاسکتا یا اس ربا کو  
سود نہیں کہا جاسکتا یا یہ کہ اس پر سود کی تعریف سادہ نہیں آتی یا یہ کہ ایسے قرضوں پر سود  
کی ممانعت نہیں۔ انچیرہ وغیرہ یہ چند ترقی پسند قسم کے دانشور کہانے والے اسلام دشمنوں  
کا پروپیگنڈہ ہے۔ جس کی بنیاد اس دعویٰ پر ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل عرب دنیا  
میں جس قسم کے قرضوں کا رواج تھا وہ ایسے ذاتی قرضے تھے جو محتاج لوگوں کی بنیادی  
ضروریات کے لئے دئے جاتے تھے اور کاروباری معاملات کے لئے سودی قرضوں کے  
میں دین کا کوئی رواج اس معاشرہ میں نہ تھا جس میں قرآن نازل ہوا۔ لہذا قرآن میں  
جس سود کی ممانعت ہے وہ ذاتی شخصی نوعیت کے قرضوں پر سودی ہے۔ یہ دعویٰ دراصل

ایک مفروضہ پر قائم ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مولانا محمد طاہرین نے  
مقابلہ سودی نظام کے دعوے نامی اپنی ایک کتاب میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی  
ہے، وہ لکھتے ہیں: "بہت سی تاریخی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عرب معاشرے  
میں محتاج لوگوں کو بنیادی معاشی ضروریات یعنی غذا، لباس اور گھر کی ضروریات کے پورا  
کرنے کے لیے سودی قرضے دینے کا اس قدر رواج نہ تھا جس قدر کاروباری

مقاصد کے لیے سودی قرض لینے دینے کا رواج تھا، عرب تجارت پیشہ لوگ تھے قریش مکہ کے متعلق خود قرآن مجید میں ہے کہ مختلف موصموں میں ان کے تجارتی قافلے مختلف ملکوں میں جاتے اور خرید و فروخت کا کام دھندہ کرتے تھے اور اس میں تجارتی اور کاروباری مقاصد کے لیے سودی قرض لینے دینے کا نیز مضاربیت پر کام کرنے کرانے کا بھی رواج تھا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارتی مقاصد کے لیے سودی قرض دینے میں حضرت عباسؓ کو خاص شہرت حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ خطبہ چمنہ الوداع ربوکی کا کلمہ تحریم کے اعلان کے موقع پر رسول ﷺ نے اپنے چچ عباسؓ کے رہا کے متعلق فرمایا کہ میں سب سے پہلے اس کو اپنے پاؤں تلے روندنا اور ختم کرنا ہوں اور فرمایا تا عجب ہونے کے بعد اب سود خواروں کے لیے صرف اور صرف وہ اس المیل ہیں جو انھوں نے سودی قرض کے طور پر دینے تھے ان پر زائد وہ کچھ نہیں لے سکتے ظاہر ہے کہ اس طرح کے اسلوب بیان کا تعلق عموماً ایسے لوگوں ہی سے ہو سکتا ہے جو قرض کا اصل مال لوٹانے اور ادا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں اور ہوں کہ ایسی قدرت عام طور پر ایسے قرضداروں کو حاصل ہوتی ہے جو تجارتی کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ سامان تجارت بچ کر اس سے حاصل شدہ رقم سے قرض کی اصل رقم ادا کر سکتے ہیں بلاشبہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو تجارت میں خسارہ اٹھانے کی وجہ سے اس قابل نہ ہوں کہ قرض کی اصل مبلغ وہ فوری طور پر ادا کر سکیں لہذا قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ جو مقرض تنگ دست ہو فوراً ادا نہ کر سکتا ہو اس کو اس وقت تک مہلت دی جائے کہ وہ آسانی کے ساتھ ادا کر سکے بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس کے ذمے قرض کے مال کو اس کے لئے عندیہ کر دیا جائے یعنی موافق کر دیا جائے۔

قرآن مجید کی آیات رہا میں رہا کی جس تحریم کا واضح ہونا ہے اس کا تعلق جس طرح بھی ضرورت کے صریح قرضوں سے ہو سکتا ہے مگر صریح تجارتی نوعیت کے

کا روہاری قرضوں سے بھی ہے اس کا ثبوت شان نزول کی اس روایت سے فراہم ہوتا ہے، جس کو بہت سے مفسرین کرام نے سورۃ البقرہ کی آیات رہا کی تفسیر میں نقل اور بیان کیا ہے اس روایت سے ثابت اور ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت تحریم رہا سے متعلق قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں اس وقت تجارت پیشہ بعض غنی و مال دار عرب قبائل کے مابین سودی قرض کا معاملہ ہوتا تھا۔ روایت کا مضمون کچھ اس طرح ہے قریش مکہ کے ایک قبیلہ بنو النضیر کے کچھ افراد نے طائف کے قبیلہ بنو ثقیف کے بعض افراد سے سود پر قرض لے رکھا تھا اور یہ معاملہ ان کے درمیان زمانہ جاہلیت سے چلا آ رہا تھا جو ان کے اسلام لانے کے بعد بھی اس وقت تک قائم رہا جب ۹ ہجری میں تحریم رہا کا اسلامی قانون کامل طور پر نافذ ہوا جس پر عمل کے نتیجے میں دوسرے مسلمانوں کی طرح انھوں نے بھی رہا کا معاملہ ختم کر دیا اب ان میں کچھ تردد اور اختلاف ہوا کہ اب تک رہا کے نام پر مقرض جو مال ادا کر چکے ہیں قرض کے اصل مال سے منہا کر کے باقی مال واپس کیا جائے یا بغیر اس کے قرض کا اصل مال پورے کا پورا واپس کیا جائے ابھر جب ان کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ کے ارشاد کے مطابق جو قرآنی آیت پر مبنی تھا قرض کا اصل مال پورے کا پورا ادا کیا جائے تو انھوں نے ایسا ہی کیا اس روایت کے حوالے سے اصل بات جو عرض کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ روایت میں مذکور دونوں قبیلے تجارت پیشہ اور غنی و مال دار تھے لہذا ان کے درمیان سودی قرض کا یہ معاملہ صرف تجارتی اور کاروباری نوعیت کا ہی ہو سکتا ہے، بنیادی معاشی ضروریات کی خاطر سودی قرض کا معاملہ نہیں ہو سکتا جس کا تعلق محتاج و نادار افراد سے ہوا کرتا ہے، پھر جو لوگ عام عربوں اور خصوصاً قریشی اور حضرت عباسؓ کی سخاوت اور مہمان نوازی کی روایتوں کا علم رکھتے ہیں وہ بھی اس بات کو مان نہیں سکتے کہ عربوں کے اندر بنیادی حاجات کے محتاج افراد کو سودی قرض دینے کا عام رواج تھا اور پھر قبائل کی نظام میں کوئی قبیلہ اس



ذلت و برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ اس کے ہمارے اور محتاج افراد دوسرے قبیلہ کے افراد سے بنیادی ضروریات کے لئے سود پر قرض میں اور زندگی گزاریں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قرض میں ملے والے قبیلہ ہواغیرہ کے کچھ افراد اپنے قبیلہ کے مال دار افراد کو چھوڑ کر طائف کے قبیلہ ہواغیرہ کے لوگوں سے نئی ضروریات کے لئے سود پر قرض لیں کیونکہ اس میں قبیلہ کی توہین ہے۔

قرض یہ کہ عرب معاشرے کے مخصوص حالات کے پیش نظر اور صدقات اور قرض حسن سے متعلق اسلامی تعلیمات جو تحریم روئے پہلے مسلمانوں میں رائج ہو چکی تھیں کے لحاظ سے یہ سمجھنا اور کہنا قرین عقل و قیاس اور صحیح لگتا ہے کہ جب قرآن مجید میں تحریم ربائی آیات نازل ہوئیں اور جب سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے جنت البوراء کے موقع پر تحریم ربائی کا اعلان فرمایا اس وقت وہ ربائے خال خال اور شاذ و نادر ہی ہوگا جس کا تعلق غیر تجارتی اور کاروباری نوعیت کے قرضوں سے ہوتا ہے زیادہ تر اور عموماً اس کا تعلق تجارتی اور کاروباری نوعیت کے قرضوں سے تھا۔

پھر جب کہ یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ ماضی میں تمام متقدم اقوام کے اندر تجارتی نوعیت کے سودی قرضوں کا رواج تھا بلکہ ان کے ہاں ایسے سودی قرضوں سے متعلق باقاعدہ قوانین تک موجود تھے۔ یونانیوں، رومیوں، مصریوں اور ہندوستان وغیرہ کے قدیم لٹریچر سے پتہ چلتا ہے کہ آج دنیا کے جن سرمایہ دار ممالک میں بینکاری کا نظام ہے اس کا تو تمام تر تعلق تجارتی اور کاروباری نوعیت کے سودی قرضوں سے ہے تو پھر یہ کیسے ہمارا کیا جاسکتا ہے کہ تجارتی مقاصد کے لئے سودی قرضوں کا عہد نبوی کے عرب معاشرے میں رواج موجود نہ تھا جبکہ وہ سب مصلحتیں اور ضرورتیں اس میں بھی موجود تھیں جو اس قسم کے سودی قرضوں کے رواج کا باعث بنی ہیں نتیجہ یہ کہ مذکورہ بالا حضرات کا یہ موقف ہے کہ قرآن مجید میں جس ربائی کو حرام بتلایا

اور اس سے نہایت سختی کے ساتھ منع کیا گیا اس کا تعلق تجارتی نوعیت کے قرضوں سے نہیں، وہ نازل کے لحاظ سے نہایت کمزور اور باطل موقف ہے، خود قرآن حکیم سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

پھر جس طرح یہ موقف کہ جس عرب معاشرے میں حضرت محمد ﷺ پر قرآن نازل ہوا اس میں تجارتی مقاصد سے تعلق رکھنے والے سودی قرضوں کا رواج نہ تھا، ہر عقلی حقائق کے لحاظ سے درست نہیں اسی طرح قانونی اور فقہی طور پر بھی درست نہیں کیونکہ یہ موقف تجارتی نوعیت کے قرضوں پر اس زیادتی کو حرام نہیں بلکہ حلال اور جائز قرار دیتا ہے، جو قرض دینے والا اپنے مقروض سے قرض کے اصل مال پر وصول کرتا ہے یہ کہتے ہوئے کہ مقروض اس مال کے ساتھ تجارت کر کے جو کماتا ہے، اس میں قرض دینے والے کا بھی ایک حصہ ہوتا ہے، جو اس کے مال سے پیدا ہوا اور جس کا وہ حقدار تھا لہذا مقروض ہر سے وہ جو زائد لیتا ہے، حلال و جائز ہونا چاہیے کیونکہ وہ اس میں کسی کی حق تلفی نہیں کرتا اور نہ ظلم کا مرتکب ہوتا ہے، چنانچہ اس موقف کے حامی حضرات موجودہ رائج الوقت بینکاری نظام کو اسلام کے خلاف نہیں سمجھتے اور نہ اس کو تبدیل کرنے میں کچھ دلچسپی رکھتے ہیں۔

(اسم)

موقف مذکور قانونی اور شرعی طور پر کیوں درست نہیں اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ یہ موقف معاشی حق اور معاشی عدل و ظلم کے جس تصور پر مبنی ہے، وہ معاشی حق اور معاشی عدل و ظلم کے اس تصور کے خلاف ہے، جو قرآن وحدیث میں ہے، اور جس کو اسلام نے اپنی معاشی تعلیمات اور اپنے حلال و حرام کے فلسفہ میں پوری طرح ملحوظ و مد نظر رکھا ہے، قرآن وحدیث میں معاشی حق کا جو تصور ہے اس کے مطابق کوئی شخص کسی معاشی شے کا حقدار اور مالک وہ وجہ سے قرار پاتا ہے، ایک وجہ ہے انسان کی دماغی جسمانی سعی و محنت جو اس نے کسی قدرتی شے میں نئی افادیت پیدا کرنے کیلئے صرف کی



ہو اور دوسری وجہ تبادُل کی صورت میں وہ حقیقی رضامندی ہے، جو ہر فریق کے لیے اس کی چیز کا صحیح بدل اور عوض موجود ہونے کی بناء پر وجود میں آتی ہے۔ تجارتی لین دین اور معاوضے کے معاملے میں جب ہر فریق کیلئے اس کے مال کا قدر و قیمت کے لحاظ سے مساوی اور برابر عوض موجود ہو تو اس میں معاشی عدل پایا جاتا ہے، اور جب معاملہ کے ایک فریق کیلئے اس کے مال کا سرے سے کوئی عوض و بدل موجود نہ ہو یا برابر و مساوی بدل و عوض موجود نہ ہو بلکہ ناقص عوض موجود ہو تو اس میں ظلم و استحصال ہوتا ہے، عدل کی شکل میں معاملہ شرعاً اور قانوناً ناجائز اور ظلم کی شکل میں حرام و ناجائز قرار پاتا ہے۔

چنانچہ معاشی حق اور معاشی عدل و ظلم کے اس تصور کی روشنی میں اس زیادہ مال کا جائزہ لیا جائے جو تجارتی نوعیت کے قرضوں میں قرض خواہ قرض کے اصل مال پر مقرض سے لیتا ہے، وہ زائد مال اس کا حق نہیں ہوتا، کیونکہ نہ اس کے پیچھے اس کی کوئی دینی، جسمانی محنت و مشقت ہوتی ہے، اور نہ مقرض کے لیے اس کے برابر کوئی دوسرا مال ہوتا ہے، لہذا وہ بغیر کسی مساوی عوض و بدل کے دوسرے کا مال ناحق طور پر لیتا ہے، جس کی قرآن مجید میں واضح طور پر ممانعت ہے، یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ اور نہ لو،

بعض مفسرین حضرات نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے باطل کی تعریف لکھی ہے: الباطل هو كل ما يؤخذ من الانسان بغير عوض۔

کسی انسان سے اس کا مال بغیر عوض کے لینا باطل ہے، رہا مذکورہ موقف کے حامیوں کا یہ کہنا کہ مقرض تجارت کی غرض سے لئے ہوئے قرض کے مال کے ساتھ کاروبار کر کے جو نفع کماتا ہے، اس میں قرض دینے

والے کا حصہ اور حق ہونا ہے، شریعت اور قانون کی رو سے بالکل غلط بات ہے، اگر ان کے ذہن میں قرض اور امانت کی شرعی اور قانونی حقیقت واضح ہوتی اور اس فرق پر ان کی نظر ہوتی جو قرض اور امانت کے مابین پایا جاتا ہے، تو یہ کبھی بھول کر بھی ایسی بات نہ کہتے، بہر حال یہ ایک متفقہ حقیقت ہے کہ قرض کے معاملہ میں قرض کا مال قرض دینے والے کی ملکیت سے نکل کر قرض لینے والے کی ملکیت میں منتقل ہو جاتا اور اس مال کی مشیت ہر لحاظ سے ٹھیک ویسی ہی ہو جاتی ہے، جو مقرض کے کسی دوسرے ذاتی مال کی ہوتی ہے مقرض کو اس میں ہر تصرف اور رد و بدل کا ٹھیک ویسی ہی اختیار ہوتا ہے، جیسا کہ اس کو اپنے کسی دوسرے ذاتی مال میں تصرف اور رد و بدل کا اختیار ہوتا ہے، چنانچہ جس طرح وہ اپنے کسی دوسرے ذاتی مال کے ساتھ کاروبار سے حاصل شدہ پورے منافع کا حقدار ہوتا ہے، اسی طرح وہ اس قرض کے مال کے ساتھ کاروباری محنت و مشقت کے ذریعے جو منافع کماتا ہے اس کا بھی وہ بلا شرکت غیر خود حقدار ٹھہرتا ہے، قرض دینے والے کے متعلق شرعاً اور قانوناً مقرض کی صرف ایک ذمہ داری ہوتی ہے، اور وہ یہ کہ مقررہ وقت پر قرض کے مال کی مثل ادا کرے قرض دینے والا اس کے سوا اور کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا اس کو اس سے کچھ سود کار نہیں کہ مقرض نے مال قرض سے فائدہ اٹھایا یا

نقصان یا اس کے پاس سے وہ مال چوری یا کسی ارضی مملکت کی وجہ سے ضائع ہوا → حکم قر گیا وہ ہر حال میں اپنے اصل مال کی مثل واپس لینے کا حقدار ہوتا ہے، بخلاف امانت کے معاملہ کے کہ اس میں امین کے پاس بطور امانت جو مال ہوتا ہے وہ اس کی ملکیت نہیں بلکہ امانت والے کی ملکیت میں رہتا ہے، چنانچہ اگر کبھی کسی غیر اختیاری سبب مثلاً ارضی مساوی آفت سے تلف اور ضائع ہو جائے تو اس کا تاوان امین پر نہیں آتا اس کا تزام تر بوجھ امانت والے کو برداشت کرنا پڑتا ہے، اس کی وضاحت کے لیے معاملہ → مضاربہ کی مثال لیجیے کہ اس میں رب المال کا جو مال عامل مضارب کے پاس ہوتا

ہے، وہ قرض کے طور پر نہیں بلکہ امانت کے طور پر ہوتا ہے، چنانچہ اگر کبھی کسی حادثہ میں غیر اختیاری طور پر ضائع ہو جائے یا تجارت میں اتنا خسارہ ہو کہ اصل سرمایہ بھی محفوظ نہ رہے تو اس کا تمام تر مالی نقصان تہا رب امانت کو برداشت کرنا پڑتا ہے، عامل مضارب اس میں شریک نہیں ہوتا چنانچہ یہی وجہ ہے جو فقہ کی صورت میں رب المال یعنی مال والے فریق کیلئے نفع کے ایک مقرر حصے کو لینے کا جواز پیدا کر دیتی ہے، یہ ایک فقہی اور عقلی قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کا نقصان برداشت کرتا ہے وہ اس کا فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے، الغنم بالغرم اور الخراج بالغصب کا یہی مطلب ہے، اور چونکہ قرض کی صورت میں قرض دینے والا مال قرض میں کوئی نقصان برداشت نہیں کرتا لہذا مال قرض پر کچھ بھی زیادہ مال نہیں لے سکتا، یہ قاعدہ عدل و انصاف اور عقل و قیاس کے عین مطابق ہے۔

اور چونکہ زیر بحث تجارتی نوعیت کے قرضوں میں یہ طے ہوتا ہے کہ قرض خواہ کو قرض کی اصل رقم ضرور ادا کرے گا خواہ وہ اس کے پاس کسی وجہ سے ضائع ہی کیوں نہ ہو مگر ہو گیا وہ اصل رقم میں کوئی نقصان برداشت کرنے کی ضمانت نہیں دیتا لہذا وہ کسی نفع کا بھی مستحق قرار نہیں پاتا چنانچہ وہ قرض کے اصل مال پر جو بھی زیادہ مال لیتا ہے وہ اس کا حق نہیں بلکہ قرض دار کا حق ہوتا ہے اور کسی کا حق مارنے کا دوسرا نام معاشی ظلم و استغلال ہے۔

علاوہ ازیں موقف مذکور کے غلط ہونے کی ایک اور وجہ یہ کہ اس موقف کے حامی تجارتی قرضوں پر جواز سود کے اس وجہ سے قائل ہیں کہ مقرض شخص اس مال کے ساتھ تجارت کرتا اور نفع کما تا ہے لہذا اس میں سے ایک حصہ قرض خواہ کو مل جانا مقرض کی حق تلفی کا باعث نہیں بنتا جو حرام و ناجائز ہے لہذا ان کے یہ حضرات اس کو بھول جاتے ہیں کہ تجارت میں ہمیشہ نفع نہیں ہوتا بلکہ ہوتا ہے نقصان تو درکنار اصل سرمایہ ہی خسارے کی لپیٹ میں آ جاتا ہے لیکن مذکورہ موقف کے مطابق ایسی صورت

میں بھی مقرض پر لازم ہوتا ہے کہ قرض کا اصل مال بروم مقررہ سود کے ادا کرے **مثلاً** ایسی صورت میں قرض خواہ قرض کے اصل مال پر بطور سود جو زائد مال لیتا ہے اس کا کیا جواز ہو سکتا ہے **یہ** کسی منافع کا ایک حصہ ہوتا ہے **مثلاً** وہ ازیں یہ سمجھتا کہ **العلم قرض** کاروبار میں جو منافع حاصل ہوتا ہے اس کا ایک حصہ تاجر کی محنت و مشقت سے اور دوسرا اس میں لگے ہوئے سرمائے سے پیدا ہوتا ہے حقیقت و اتم کے لحاظ سے بالکل غلط و باطل ہے، کیوں کہ سرمایہ کسی فعل میں اپنے وجود کو برقرار رکھنے ہوئے کسی مال کو پیدا نہیں کرتا اور نہیں کر سکتا ہے، کوئی مال کسی مال سے نہیں بلکہ صرف انسانی عمل اور ہنر سے پیدا ہوتا ہے **مثلاً** کے خورد پر مال کی ایک قسم زر و نقدی اور سونے چاندی کو لے کر آپ سو سال تک کسی محفوظ جگہ مثلاً جمہوری میں رکھیے جب تک آپیں گے تو اس میں ذرہ بھر اضافہ نہ ہوگا، اگر سرمایہ یعنی مال نباتات و حیوانات یا ان سے حاصل اور تیار کردہ مختلف سر و سامان اور اشیاء کی شکل میں بے کار پڑا ہو تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ کھٹکی کے ذریعے بتدریج تحصیل ہوتا اور اپنی قدر و قیمت کھوتا چلا جاتا ہے، از خود اس میں اپنے وجود کو برقرار رکھنے ہونے لگتی کوئی اضافی ظہور میں نہیں آتا، یہ وہ کھٹکی ہوئی حقیقت ہے جس کا ہر انسان اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے اس کے ثبوت کے لیے کسی عقلی و نقلی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں، البتہ جب کوئی مال کسی بھی شکل میں کسی کاروبار میں استعمال ہوتا اور اس امانت و سرمایہ کہاں ہے تو وہ سرمایہ اپنی اصل شکل میں قائم نہیں رہتا کبھی ایک شکل سے دوسری شکل اختیار کر لیتا ہے مثلاً تجارت میں سکے رائج و الوقت کی شکل میں جو زر و نقدی ہوتی ہے وہ مختلف قسم کی تجارتی اشیاء اور سر و سامان کی شکل سے بدل جاتی ہے اور خرید و فروخت کا دھندہ ختم ہونے کے بعد پھر عموماً حسب سابق زر و نقدی کی صورت اختیار کر لیتی ہے، منطقی کاروبار ہو تو زر و نقدی مختلف قسم کے صنعتی ساز و سامان کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے جس میں اوزار، مشینیں، خام مواد



\* اندھن جیسے ٹیل کوئلہ گیس بجلی وغیرہ شامل ہیں اور پھر مختلف قسم کی مصنوعات اور  
 تیار اشیاء کی شکل میں سامنے آتی اور بالآخر پھر سکے دانگ الوقت زر و نقدی کی صورت  
 اختیار کر لیتی ہے۔ زہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ سرمایہ جب کاروبار میں استعمال ہوتا ہے تو  
 اپنی اصل شکل پر جوں کا توں برقرار نہیں رہتا بلکہ ضرورت پڑھیل ہوتا ہے۔ لیکن استعمال  
 ہونے سے اس میں جو تبدیلی آتی ہے اس تبدیلی کے اثرات مختلف شکلوں میں ظاہر  
 ہوتے ہیں۔ ساوازار اور مشینیں استعمال ہونے سے کھیتی اور ان کی قیمت و مالیت برابر بھگتی  
 اور کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایجنٹ جن محل ترخم ہو جاتا ہے، مخرج مواد، حیر مال اور  
 مصنوعات کی شکل اختیار کر لیتا ہے، مخرج یہ کہ کاروبار میں لگے ہو سرمایہ خواہ وہ کسی شکل  
 میں بھی ہو استعمال ہونے سے فنا اور ضائع نہیں ہوتا بلکہ بعض شکلوں میں جزئی اور بعض  
 شکلوں میں کلی طور پر تحلیل ہو کر کارخانے کی ہونے والی پیداوار میں شامل ہو کر اس کے  
 حجم کو کمیت و مقدار کے لحاظ سے بڑھا دیتا ہے۔ لیکن اس کا کسی طرح یہ مطلب نہیں ہوتا  
 کہ سرمائے نے پیداوار کے ایک حصہ کو پیدا کیا کیوں کہ یہ مطلب صرف اس صورت  
 میں ہو سکتا ہے جب سرمایہ اپنے وجود کو برقرار رکھتے ہوئے کسی نئی چیز کے وجود کا سبب و  
 ذریعہ بنے حالانکہ کاروبار میں استعمال ہونے والا سرمایہ اپنے اصل وجود کے ساتھ کم و  
 برقرار نہیں رہتا جیسا کہ عام مشاہدہ ہے۔ \* تو پھر یہ سمجھنا کہ کسی صنعتی کاروبار میں حاصل  
 ہونے والی پیداوار کے ایک حصے کو سرمائے نے پیدا کیا خلاف واقعہ ہونے کی وجہ سے  
 بالکل غلط اور باطل ہوتا ہے، پیداوار تمام تر انسانی محنت و مشقت کا نتیجہ ہوتی ہے، اس کی  
 وضاحت کے لیے ایک چھوٹی سی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ روزی جب بغیر بیوگ مشین کے  
 ہاتھ کے ساتھ کپڑے سینتا ہے دن بھر میں ہشتک دو تین کپڑے ہی پاتا ہے، لیکن جب  
 بیوگ مشین کے ساتھ سین تو وہ وہ تعداد میں ہی لیتا ہے، تو اس سے ظاہر یہ لگتا ہے کہ  
 ان میں سے کچھ کپڑے روزی کی محنت نے اور کچھ بیوگ مشین نے سینے اور تیار کیے اور

۱۵  
 چوں کہ مشین سرمائے کی تعریف میں آتی ہے لہذا مطالبہ یہ ہوا کہ کچھ کپڑے روزی کی  
 محنت سے تیار ہوئے اور کچھ کو مشین کی شکل میں سرمایہ نے پیدا کیا لیکن گہری نظر سے  
 بغور دیکھا جائے تو مطلب مذکور غلط نظر آتا ہے، کیوں کہ درحقیقت مشین کے ساتھ کام  
 کرنے کی صورت میں پیداوار میں جو اضافہ ہوتا ہے اس کی وجہ کاربگر کی نئی محنت کے  
 اثرات کے ساتھ چرائی محنت کے آپد اثرات کا شامل ہو جاتا ہے، جو بے شمار انسانوں کی  
 دماغی جسمانی سعی و محنت سے وجود میں آئے اور مشین کی شکل میں منتقل ہوئے، مشین  
 ایک قدرتی دھات ہے جس کو کان سے نکالنے اور موجودہ شکل دینے تک بے شمار  
 انسانوں نے با واسطہ اور با واسطہ مختلف قسم کے کام انجام دیے لہذا اس وقت اس مشین  
 کی بقود و قیمت اور جو مالیت ہے، وہ اس دھات کی نہیں جس سے وہ مشین بنی ہے  
 بلکہ سعی و محنت کے ان اثرات کی ہے، جو مشین کی صورت میں منتقل ہو کر سامنے آئے  
 \* چنانچہ جب مشین کاروبار میں استعمال ہوتی ہے تو کچھ اثرات اس سے جدا ہو کر نئی محنت  
 کے اثرات میں شامل ہو جاتے اور پیداوار میں اضافے کا باعث بنتے ہیں، لیکن اس  
 اضافے سے دوسری طرف مشین کی مالیت و قیمت میں بھی ضرور کچھ نہ کچھ کمی واقع ہوتی  
 ہے جس کا معروضہ کارخانہ دار بھوئی آمدنی میں سے وصول کرنا اپنا حق سمجھتا اور اس کو  
 ضرور حساب میں لاتا ہے، گو یہ اس کے نزدیک حصے سے مشین کی مالیت میں جو کمی واقع  
 ہوتی وہ نئی پیداوار میں منتقل و شامل ہو جاتی ہے۔ \* حاصل بحث یہ کہ کسی بھی صنعتی  
 کاروبار میں جو سرمایہ استعمال ہوتا ہے، وہ اپنے وجود کو برقرار رکھتے ہوئے کسی چیز کو  
 پیدا نہیں کرتا بلکہ جزوی یا کلی طور پر تحلیل و تبدیل ہو کر اس پیداوار میں شامل ہو جاتا ہے  
 جو کاربگروں اور مزدوروں کی دماغی جسمانی سعی و محنت سے وجود میں آتی ہے اور اس  
 میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

دراصل یہاں دو الگ الگ چیزیں ہیں لیکن عام طور پر ایک ظاہر بین سطحی نظر

رکھنے والا شخص اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھتا جو ان چیزوں کے مابین پایا جاتا ہے لہذا وہ بھگ جاتا ہے مطلب یہ کہ ایک چیز ہے ہر کاروبار کے لئے کسی نہ کسی شکل میں سرمائے کے وجود کا ضروری ہونا، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی بوشمند شخص انکار نہیں کر سکتا اور دوسری چیز ہے سرمائے کا کسی مال کو پیدا کرنا ان دو چیزوں میں عقلی اور واقعی طور پر کوئی ملازم نہیں، مثال کے طور پر ایک بیج کو پیچھے جو درخت کے لئے بہر حال ضروری ہوتا ہے، لیکن وہ درخت کو پیدا کرنے والا نہیں ہوتا چنانچہ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ بیج سے درخت پیدا ہوا لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ بیج نے اپنے وجود کو برقرار رکھنے ہوئے درخت کو پیدا کیا کیوں کہ وہ خود فنا ہو جاتا ہے۔

پھر چوں کہ ہر آدمی اس باریک فرق کو سمجھ نہیں پاتا جو ایک چیز کے دوسری چیز کے لئے ضروری ہونے اور ایک چیز کے دوسری چیز کو پیدا کرنے کے مابین پایا جاتا ہے لہذا وہ اس دھوکے اور مغالطے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ سرمایہ چونکہ کاروبار کرنے کے لئے ضروری ہے لہذا وہ بیچ اور عام بھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی سرمایہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتا جیسا کہ اوپر قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے لہذا یہ نظریہ حقیقت واقعہ کے لحاظ سے غلط اور باطل ہے، کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی مال و دولت کو پیدا کرتا ہے اس کی غلطی اور باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس نظریہ کو صحیح مانتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں آج تک یہ طے نہیں کر سکے اور یقیناً آئندہ بھی نہیں نہ کر سکیں گے کہ کسی کاروبار میں جو منافع ہوتا ہے اس کا کتنے فیصد سرمائے سے اور کتنے فیصد محنت سے پیدا شدہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک اس کا تعین نہ ہو تو معاملے میں عدل کی صورت کا تعین ناممکن ہو جاتا ہے غور سے دیکھا جائے تو سرمایہ دار ممالک میں سرمایہ دار اور محنت کش کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والی کشاکش اور اوپریش پائی جاتی ہے، وہ نتیجہ ہے اس اندھے بہرے

مجموعہ بے مہول تصور اور نظریے کا کہ سرمایہ بھی دولت پیدا کرتا ہے لہذا اس کی آڑ میں سرمایہ دار کو جو عموماً برتر و بالا پوزیشن میں ہوتا ہے محنت کش کے استحصال کا خوب موقع ملتا ہے اور اس کی کمزور حیثیت سے وہ بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے، ایسی طرح حکومتی قوانین چوں کہ سرمایہ داروں کی مرضی سے بنتے ہیں لہذا انہی کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔

اور چونکہ نظریہ مذکور حقیقت واقعہ کے لحاظ سے غلط و باطل اور عدل و انصاف کے سراسر منافی ہے، لہذا دین اسلام سے جو حقیقت پسند اور عدل و قسط کا والدادہ ہے اس کا کوئی دور کا تعلق بھی نہیں ہو سکتا، اس کو اسلام کے حوالے سے صحیح کہنا اسلام پر تہمت لگانا اور برقی طرح بدنام کرنا ہے، لیکن انہوں نے بہت سے سطحین، کم علم اور کم فہم لوگ اس گمراہی میں خود مبتلا اور دوسروں کو گمراہ کر رہے ہیں اللہ ہی ان کو ہدایت دے۔ (آمین)

امید ہے اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ تجارتی فرضوں پر سور (سکرشل انٹرسٹ) کو جائز کہنا کس قدر بڑی غلطی ہے اور یہ کہ جس موزوم نظریہ پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ کس قدر غلط، مغالطہ آمیز اور شرانگیز ہے۔



## شراکت یا مشارکہ کیا ہے؟

سوال ۲: ایک مسئلہ جدید کاروباری حوالہ سے معلوم کرنا ہے اور وہ یہ کہ ہمارے شہر میں اسلامی بینک کے لوگ آئے تھے یہاں انہوں نے ایک بریفنگ دی جس میں انہوں نے بتایا کہ اسلامی بینک شراکت کا کاروبار کرنے کے لئے سرمایہ کاری قبول کرے گا اور شراکت پر سرمایہ کاری کے لئے سرمایہ جاری کرے گا۔ براہ کرم شراکت کے بارے میں کچھ تفصیلات مہیا فرمائیں۔ اور بینک کے ساتھ کس طرح شراکت کی جاسکتی ہے۔ (محمد ارشد، عارف، پشاور)

جواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم وہ نستعین اسلامی بینک کے ساتھ سرمایہ کاری کے سلسلہ میں شرکت عقد کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ اور آج کل شرکت العقد ہی زیادہ معروف ہے اگرچہ شرکت کی متعدد اقسام ہیں۔ شرکت کیا ہے؟ عقد اسلامی میں شرکت کی مختلف تعریضیں فقہاء اسلام نے بیان کی ہیں۔ عقد ضمی کے مطابق شرکت سے مراد ہے۔ اختصاص اثنين فاکثر بمحل واحد یعنی دو یا زیادہ افراد کا ایک محل عقد سے مخصوص ہو جانا۔ (فتاویٰ التاویذ جلد ۵ ص ۶۲) جبکہ جدید معاشی نظام میں شرکت کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے۔

Two, three or more people combine, contribute, capital and agree to share profits and bear losses in agreed proportions (Modern Economic Theory by K.K.Dewit. )

یعنی دو تین یا اس سے بھی زیادہ افراد اس طرح سرمایہ کاری کریں کہ اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کے حساب سے نفع و نقصان میں شریک ہوں۔

شراکتی کاروبار جسے آج کل اسلامی بنکاری کی اصطلاح میں مشارکہ کہا جاتا ہے اسلام کی نظر میں پسندیدہ ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اسکی فضیلت اور اسکی کامیابی کی ضمانت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ **يُبدى الله مع العشرة مائة مائة يتخاونا فإذا تخاونا محقت تجارتها فرفع الله البركة منها** (سنن ابی داود) یعنی شراکتی کاروبار کرنے والوں پر اللہ کا ہاتھ رہتا ہے۔ جب تک کہ وہ اس میں باہمی خیانت کے مرتکب نہ ہوں اور انہوں نے خیانت کا ارتکاب کریں تو ان کی تجارت ختم ہو کر رہ جائے گی اور برکت اٹھ جائے گی۔

شرکت یا مشارکہ کا طریق جو مختلف اسلامی بینکوں نے عموماً اختیار کیا ہے وہ سودی قرضوں سے بچنے کے لئے ہے۔ کیونکہ اسلامی بنکاری سے قبل کنٹینرل بینک باجروں، صنعتکاروں اور دیگر ضرورتمندوں کو مختلف منصوبوں، تجارتی سودوں اور نئی انڈسٹری وغیرہ لگانے کے لئے سود پر سرمایہ مہیا کرتے تھے اور خود کاروبار میں شریک نہیں ہوا کرتے تھے۔ اسلامی بنکاری میں یہ ہوا ہے کہ اب بینک قرض جاری کرنے کی بجائے خود کاروبار میں بحیثیت شریک شامل ہوتا ہے۔ اس کا طریق کار جو ہمیں معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ کاروبار کے لئے شراکت کی بنیاد پر بینک کو سرمایہ کاری کی دعوت کوئی بھی کمپنی یا کاروباری ادارہ یا تاجر یا شخص دے سکتا ہے اور یہ دعوت ایک درخواست کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس درخواست کے ساتھ کمپنی یا شخص اس کاروبار کی وضاحت پر مشتمل پوری ایک سری پیش کرتا ہے اور اگر کوئی نیا پراجیکٹ شروع کرنا ہو تو اس کی فزہیلٹی رپورٹ بھی ساتھ منسلک کرنا ہوتی ہے جس میں تمام تفصیلات موجود ہوتی ہیں۔ علاوہ انہیں پراجیکٹ اگر انڈسٹری کا ہے تو اس کے ساتھ جگہ کا تعین اور جگہ اگر اس کے پاس ہے تو

اس کے ملکی کاغذات وغیرہ منسلک کرنا ہوتے ہیں۔ اور دیگر دستاویزات جو بینک کو بحیثیت شریک الطمنان کے لئے درکار ہوں میا کی جاتی ہیں۔ بینک ان تمام دستاویزات کی جانچ پڑتال کے بعد اگر مطمئن ہو تو سرمایہ کاری کی حد متعین کرتا ہے کہ وہ کس حد تک سرمایہ کاری کرنے پر راضی ہے۔ یا اپنی رضامندی سے طے شدہ سرمایہ کاری کے معاہدہ کا باقاعدہ شکل دی جاتی ہے اور اس طرح شرکت متناقصہ کا ایک معاملہ طے پا جاتا ہے۔ جس میں منافع کی تقسیم کا فارمولہ شرعی احکام کے مطابق یا بھی رضامندی سے طے ہوتا ہے اور نقصان راس المال کے لحاظ سے طے پاتا ہے۔ (Capital) بینک اس کاروبار میں اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو وہ اس کی تفصیلات بھی طے کرتا ہے کہ وہ اپنا حصہ قدر بچا یا جز کیا یا کلیاً کس طرح فروخت کرے گا۔

شرکت متناقصہ کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

- ۱۔ معاہدہ میں مذکور مدت کے اختتام پر بینک اپنا حصہ کسی اور کو فروخت کر دے (یا حصہ دار کو) اور کسی اور کمپنی یا شخص کو اس کمپنی یا شخص کا حصہ دار شریک بنادے۔
- ۲۔ یا منافع کو تین حصوں میں تقسیم کر دے۔ ایک حصہ بینک کے لئے، دوسرا حصہ اس کاروبار سے بینک کے اصل سرمایہ کی وصولی کے لئے اور تیسرا حصہ کاروبار میں شریک کمپنی یا شخص کے لئے مختص کر دے۔

۳۔ راس المال کے مختلف حصے (Shares) بنادے جائیں ہر حصہ کی ایک قیمت مقرر کر دی جائے جس میں اصل زر اور حاصل شدہ منافع شامل ہو۔ اور یہ شیئرز بینک کے ساتھ شریک کاروباری کمپنی یا شخص جس نے بینک کو سرمایہ کاری میں شریک کیا تھا ہر سال تھوڑے تھوڑے کر کے اس طرح خریدتا رہے کہ بینک کا حصہ کم ہوتا چلا جائے تا آنکہ وہ اپنی یا شخص کل سرمایہ کا مالک بن جائے۔ (ڈاکٹر عزالدین خوجہ نے اپنی کتاب ادوات الاستثمار الاسلامی میں ص ۱۰۶ سے ۱۰۹ میں اس کی تفصیلات بیان کی ہیں)

شرکت متناقصہ شرعیاً درست ہے کہ یہ شرکت عمان ہی کی ایک صورت ہے کہ اس میں دونوں شریک اپنا اپنا سرمایہ (راس المال) لگاتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے ذمیل کے طور پر کام کرتے ہیں اور انکی امور بینک عموماً اپنے شریک (کمپنی) کو تفویض کرتا ہے اور خود کاروبار میں سلیپنگ پارٹنر کا کردار ادا کرتا ہے۔

① شرکت عمان کی تعریف فقہاء نے یوں بیان کی ہے۔ ملائکہ سانی ہدای  
الصناع میں فرماتے ہیں: دو یا زیادہ افراد کسی (معاملہ یا کاروبار میں) اس طرح شریک ہوں کہ ہر ایک کا سرمایہ، عمل، حقوق مساوی نہ ہوں۔ اس میں ہر شریک دوسرے کا ذمیل ہوتا ہے۔ ذمیل نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر زید اور عمر نے شرکت کی اور اس میں زید ایک ہزار روپ اور عمر پندرہ ہزار روپ لگائے اور منافع بھی اسی تناسب سے طے پائے تو یہ شرکت عمان ہوگی۔ (ہدای الصناع فی ترتیب الشرائع، العلامة علاء الدین ابوہریر بن مسعود الکسانی، ضعیفیہ دت و کراچی جلد ۶ ص ۵۶)۔

② بینک سرمایہ برابر برابر لگانے اور مال میں، حقوق تجارت میں، کام اور منافع میں شریک، برابری پر ہوں اور ہر شریک دوسرے کا ذمیل اور کفیل ہو تو یہ شرکت، شرکت  
مقارنہ ہلائے گی۔

صورت مسئلہ میں بینک کا سرمایہ کاری کی شراکت کی بنیاد پر پیش کش کرنا اسلامی تجارت کے اصولوں کے مطابق ہے۔ اور بینک کے ساتھ شرکت عمان، شرکت

③ منظوم حصہ، شرکت عقود کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں مضاربت بھی ہو سکتی ہے۔



## شرکت املاک یا شرکت عقود

سوال ۳۳: مکانوں کی قیم کے لئے پہلے کرشل بنک سودی قرضے جاری کیا کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں شراب مختلف اسلامی بنک قرضوں کی بجائے شراکت کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے سرمایہ کاری کرتے ہیں اور سود سے بچنے اور بچانے کے لئے شرکت املاک یا شرکت عقود کی بنا پر شراکت کرتے ہیں پوچھنا یہ ہے کہ یہ شرکت املاک یا شرکت عقود کیا ہے؟ براہ کرم تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔

جواب: اسلامی بنکوں کا سودی قرضوں کی بجائے شرکت یا مشارکہ کرنا اچھی روایت ہے اور یہ اسلامی اصول تجارت میں سے ہے۔ فقہاء نے شرکت کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

الشركة ضربان شركة املاك وشركة عقود (الهدایہ ج ۱ ص ۶۰۴)

۱۔ شرکت املاک      ۲۔ شرکت عقود

شرکت املاک کی تعریف فقہاء کے ہاں یہ ہے: شركة الاملاك العين

یرثھا رجلان ویشتربانھا (الهدایہ ج ۱ ص ۶۰۴)

یعنی شرکت املاک ایسا مال بین میں ہے جس کے دو شخص وارث ہوں دونوں اس کو خریدیں۔ ہدایہ میں ہے کہ شرکت املاک، ملکیت کی شرکت کو کہتے ہیں وہ اس طرح کہ چند آدمیوں کو وراثت میں یا بطور ہبہ ایک جائیداد یا نقد روپیہ ملا یا دو دونوں غلبہ کی صورت میں اس کے مالک بن جائیں، یا دو آدمیوں کے مل کر کوئی چیز خریدی تو یہ تمام صورتیں شرکت املاک کی ہیں۔ ان صورتوں میں دونوں کو چیز کی ملکیت میں

شریک تصور کیا جائے گا۔ (الهدایہ ج ۲ ص ۶۰۳ نیز فتح القدیر ج ۵ ص ۳۷۷)۔

احتمال کے نزدیک شرکت املاک کی مختصر اور جامع تعریف یہ ہے کہ دو شخص ایک چیز کے مالک بن جائیں اور ان میں سے کسی قسم کا شرکت کا کوئی معاہدہ نہ ہو۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱)

واضح ہو کہ شرکت املاک کی پھر دو قسمیں ہیں

۱۔ ایک قسم وہ ہے جو دونوں شریکوں کے کام کرنے سے ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسے زمین اور عمرنے مل کر کوئی چیز خریدی یا ان دونوں کو کوئی چیز کسی نے ہبہ کرنی، یا ان دونوں کے حق میں کسی نے وصیت کی یا ان دونوں کو کوئی چیز بطور صدقہ ملی اور انہوں نے اسے قبول کر لیا تو اس طرح ملنے والی کوئی چیز ان دونوں کے مابین اس طرح مشترک ہوگی کہ وہ دونوں ملکیت میں شریک ہوں گے۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۵۶)

۲۔ جبکہ دوسری قسم وہ ہے جو دونوں کے کام کرنے کے بغیر بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ وراثت کے ذریعہ اگر کوئی چیز دونوں کو ملی تو وہ دونوں اس کے وارث ہو جائیں گے۔ اور یہ صورتیں چیز ان دونوں کے درمیان اس طرح مشترک ہوگی کہ وہ دونوں ملکیت میں شریک ہوں گے۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۵۶)

اسلامی بنک جب شرکت املاک کرتے ہوئے کسی شخص کے ساتھ مکان کی خریداری میں شراکت کرتے ہیں تو اس میں یہ بات طے ہوتی ہے کہ اس مکان کی مالیت کیا ہے جس مالیت پر مکان خریدا گیا اس میں بنک اور مکان کا طلبگار شریک ہو جاتے ہیں اور اس مالیت کی مساوی قسطیں مقرر کرنی ہوتی ہیں۔ بنک اپنے شریک شخص کو ان قسطوں میں فروخت کرتا رہتا ہے اور اس کے بنک کی ملکیت کم ہوتی رہتی ہے جب تک کہ دوسرے شریک کی ملکیت نہ ختم ہوتی ہے اور باقی قسطوں کا ادا ہونا باقی ہے۔

شرکت عقد کا تعلق عقد سے ہے اور عقد بمعنی معاہدہ یا (Agreement) ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ شرکاء آپس میں ایک معاہدہ کے ذریعہ ایک دوسرے سے بندھ جائیں اور اس معاہدہ کی شرائط جو خود انہی نے طے کی ہیں کے پابند ہو جائیں۔

ہدایہ میں ہے وَالضَّرْبُ الْبَاقِي شَرَكَةُ الْعُقُودِ وَرُكْنُهَا الْإِجَابُ وَالْقَبُولُ وَهُوَ أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمَا شَارِكُكَ فَنِي كَذَا وَكَذَا وَيَقُولَ الْآخَرُ قَبِلْتُ (الهدایہ ج ۲ ص ۶۰۴)

ترجمہ۔ دوسری قسم شرکت عقد ہے اور اس کا رکن ایجاب و قبول ہے اور وہ اس طرح کہ ایک شریک یہ کہے کہ میں نے تجھ سے فلاں چیز میں شرکت کی اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا۔

اگرچہ شرکت عقد کا اقرار و معاہدہ زبانی بھی ہو سکتا ہے جیسے کالج کا اقرار و معاہدہ تاہم اس ایجاب و قبول کوئی زمانہ نہ ہوگا یا کہیں تحریری معاہدوں کی صورت میں طے کرتی ہیں۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ تو تحریری کے قائل ہیں اور اس کو لازم سمجھتے ہیں چنانچہ الموطا میں ان کا یہ قول درج ہے: اِنْ السَّكَاةُ عَقْدٌ اَوْ هَلَاكٌ۔ (لکھ لینا معاہدہ کو مشہور کرتا ہے)

شرکت عقد میں شرط یہ ہے کہ شرکت عقد کا معاہدہ قابل وکالت ہونا چاہیے۔

ہدایہ میں ہے: اِنْ يَكُونُ التَّصَرُّفُ بِالْعُقُودِ عَلَيْهِ عَقْدُ الشَّرَكَةِ فَابِلَا لِلْوَكَاةِ لِيَكُونَ مَا يَسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ مَشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا فَيَتَحَقَّقُ حُكْمُهُ الْمَطْلُوبُ مِنْهُ (الهدایہ ج ۲ ص ۶۰۴)

یعنی جس تصرف پر شرکت کا عقد و معاہدہ ہوا ہے وہ قابل وکالت ہو، تا کہ تصرف سے جو کچھ حاصل ہو وہ دونوں میں مشترک ہو، اور شرکت کے عقد سے جو حکم مطلوب تھا وہ جاری ہو جائے۔

شرکت عقد کے بعض بنیادی اصول حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ عقد تحریر ہونا چاہئے تاکہ بوقت ضرورت اس سے مدد لی جاسکے۔
- ۲۔ منافع کی تقسیم کی مقدار بھی صاف صاف بیان کی جانی چاہئے کہ کتنا کس کو ملے گا۔
- ۳۔ ہر شریک مشترکہ مال میں امین ہوگا اور امین کی حیثیت سے مال کی حفاظت اس کی ذمہ داری ہوگی۔

۴۔ ہر شریک مشترکہ مال میں وکیل کی حیثیت رکھے گا۔ وکیل کی حیثیت سے ہر ایک کو کاروبار کے انتظام اور تصرف میں برابر کا اختیار حاصل ہوگا۔

۵۔ کام اور سرمایہ برابر ہونے کی صورت میں بھی اگر باہمی رضامندی سے یہ طے ہو جائے کہ ایک آدمی کو زیادہ اور ایک کو کم نفع ملے گا تو ایسا طے کرنا درست ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ (کذا فی الہدایہ ج ۲ ص ۶۰۶)

۶۔ شرکت عقد میں عائدہ خود یا اپنے نمائندہ کے ذریعہ کام میں شریک رہے گا۔ لیکن اگر کسی سبب سے شریک نہ ہو سکتا ہو تو منافع اور نقصان میں شریک ہوگا۔ کیونکہ کام مال یا ضمان میں سے کسی صورت بھی شرکت ہو تو منافع کا مستحق ہوتا ہے۔ (کذا فی الہدایہ ج ۲ ص ۶۰۹)

۷۔ اگر معاہدہ میں کسی فریق نے شرط رکھی کہ وہ کام میں شریک نہیں ہوگا تو شرکت عقد اس کے حق میں ناسد ہوگی۔

شرکت عقد کے چند بنیادی اصول حسب ذیل ہیں ان کے علاوہ بھی شرکت عقد میں اقسام کے لحاظ سے الگ الگ اصول متعین ہیں۔

شرکت عقد کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں

- ۱۔ شرکت مفادہ
- ۲۔ شرکت ضمان
- ۳۔ شرکت منافع
- ۴۔ شرکت دود



احناف کے نزدیک شرکت عقود کی یہی چار قسمیں ہیں البتہ علامہ کا سہانی نے شرکت عقود کی تین قسمیں بتائی ہیں اور وہ ہیں شرکت اموال، شرکت اعمال، اور شرکت وجوہ۔ پھر ان کے نزدیک شرکت اعمال میں شرکت ابدان، شرکت حائض اور شرکت قبول آجاتی ہے۔ چنانچہ علامہ ہارنی نے شرکت عقود کی چھ قسمیں بتائی ہیں۔

- ۱۔ شرکت اموال منہ
- ۲۔ شرکت اموال غنائ
- ۳۔ شرکت اعمال منہ
- ۴۔ شرکت اعمال غنائ
- ۵۔ شرکت وجوہ منہ
- ۶۔ شرکت وجوہ غنائ

(دیکھئے بدائع الصنائع ج ۶ ص ۵۲)

آج کل بینک شرکت ملک اور شرکت عقود کے ذریعہ House Financing کرتے ہیں اور اگر معاہدہ اسلامی روح کے مطابق ہو تو ان دونوں طریقوں سے بینک کیساتھ مشارکت کر کے مکان بنانے یا خریدنے میں کوئی حرج نہیں۔

## بیع مراحہ

کس ۴: محترم جناب ڈاکٹر شاہناز صاحب درج ذیل مسئلہ میں آپ کے مجلہ کے توسط سے رہنمائی درکار ہے براہ کرم جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ اس مسئلہ کے بارے میں روشنی ڈالیں کہ زید نے بینک سے قرض مانگا کہ وہ ایک ٹریکٹر خریدنا چاہتا ہے مگر بینک نے اسے نقد رقم فراہم کرنے کی بجائے یہ کہا کہ بینک اسے ٹریکٹر خرید کر دے گا کو تیار ہے۔ وہ بازار سے ٹریکٹر کی قیمتیں معلوم کر لے اور خریداری کے لئے معادہ رقم کی مقدار بتائے تو اسے ٹریکٹر دلایا جاسکتا ہے۔ زید نے ٹریکٹر کی قیمتیں معلوم کیں اور جو ٹریکٹر اسے پسند تھا اس کی تفصیلات بینک کو بتادیں۔ بینک نے زید سے کہا کہ چونکہ بینک کاروباری ادارہ ہے اس لئے وہ اس ٹریکٹر کی خریداری میں کچھ منافع لے گا اور اس کی صورت یہ ہے کہ بازار میں موجود دس لاکھ روپے کا ٹریکٹر زید کو ادھار پر بارہ لاکھ میں دے گا اور زید کے ذمہ بارہ لاکھ کی ادائیگی قسطوں کی صورت میں ہوگی۔ زید کی طرف سے آماجگی کے بعد بینک نے ٹریکٹر کی فراہمی کی ایک درخواست زید سے لے لی جس میں یہ لکھا تھا کہ زید کو ایک عدد ٹریکٹر ان ان اوصاف کا درکار ہے۔ اس طلب نامہ پر دستخطوں کے بعد زید کو ٹریکٹر کی خریداری کے لئے رقم مہیا کر دی۔ اور زید نے ٹریکٹر خرید لیا۔ پھر بینک نے ایک معاہدہ بیع پر زید سے دستخط کروائے جس میں ٹریکٹر کی قیمت خرید، اضافی اخراجات (رجسٹریشن فیس بینک کے چارجز وغیرہ شامل تھے) اور قیمت فروخت اور مدت ادائیگی وغیرہ کی تفصیلات تھیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح کا معاملہ کیا شرعاً جائز ہے؟ اور بینک جس نے زید کو دس لاکھ کی گاڑی خرید کر دی مگر وہ وصول ہارہ لاکھ روپے کرے گا تو کیا یہ سود نہیں ہوگا؟ جبکہ بینک اسلامی بنکاری کا دعویدار ہے۔ (غلام رسول چشتی فیصل آباد)

جواب: صورت مسئولہ میں بینک کے اسلامی بنکاری کا دعویدار ہونے کی بنا پر اس مسئلہ کو شرعی نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے جن امور کا چرچہ لہذا ضروری ہے ان میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں۔

۱۔ بینک کا اولاً قرض فراہم کرنے کی بجائے ٹریڈر خرید کر دینے کی بات کرنا۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بینک سودی قرضہ جاری کرنے سے اجتناب برتنا چاہتا ہے اور مال کی فراہمی کر کے گویا ایک تجارتی معاملہ کرنے کا خواہش مند ہے۔ یہ اسلامی اصول تجارت **واحل الله البيع وحرم الربوا** کے عین مطابق ہے۔ اور بالظاہر صحیح معاملہ لگتا ہے۔

۲۔ بینک کا زید کو ٹریڈر پسند کرنے اور قیمتیں معلوم کرنے کے لئے بھیجنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے زید کو اپنا وکیل نامزد کیا۔ کیونکہ ٹریڈر کا ضرورت مند اگرچہ زید ہے لیکن بینک اس وقت خریدار ہے اور خریداری کے لئے بینک کو چاہئے تھا کہ وہ اپنے کسی افسر یا ملازم کے ذریعہ ٹریڈر کی معلومات کرنا اور ٹریڈر کی خریداری اپنے کسی ملازم کے ذریعہ کرتا، لیکن اس مشقت سے بچنے کے لئے بینک نے زید ہی کو یہ کام سونپ دیا، مگر ہوتا کہ یہاں بینک اور زید کے مابین ایک تحریری دستاویز بن جاتی کہ بینک نے زید کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے اور وہ بینک کے لئے ایک عدد ٹریڈر جس کے مواصفات اس طرح ہیں خریدنے کا پابند ہے اور اس کام کی زید کو کوئی اجرت بھی بینک (اجرت وکالت) ادا کر سکتا تھا۔ پھر بینک کے وکیل کے طور پر زید ٹریڈر کی تفصیلات حاصل کرنا اور خریداری کا معاملہ کرتا۔ تاہم اگر

بینک کے مجاز افسر نے زید کو زبانی طور پر بھی اپنا نمائندہ یا وکیل نامزد کر دیا اور زید نے ٹریڈر کی خریداری بینک کے لئے کر لی تو جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

وإذا أرى الرجل الرجل السلعة فقال اشتر هذه وأربحك فيها كذا، فاشترها الرجل فالشراء جائز، والذي قال أربحك فيها بالخيار إن شاء، أحدث فيها بيعاً وإن شاء، تركه (كتاب الام ۳۳/۳)

یہاں یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ خریدار بینک کا وکیل کیسے ہو گیا کیونکہ ابھی زید نے بینک سے خریداری کا کوئی معاہدہ نہیں کیا لہذا وہ خریدار نہیں نیز یہ کہ اسلامی بنکاری میں اب یہ معاملہ ایک عرف کی حیثیت اختیار کر گیا ہے کہ جسے سامان چاہئے ہوتا ہے اسی کے ذریعہ بینک خریداری کرا لیتا ہے تاکہ اس کی حسب غرض خواہش اسے سامان مل سکے اور عرف کا اعتبار شرع میں کیا جاتا ہے حتیٰ کہ فرمایا: واعلم ان اعتبار العادة و العرف يرجع اليه في الفقه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك اصلاً (اشیاء ص ۳۷)

۳۔ چونکہ مال کی خریداری کے بعد اس کا مشتری کی ملک میں آنا اور بیع پر مشتری کا قبضہ ہونا شرط ہے اس کے بغیر ورنہ اسے کسی دوسرے کو فروخت نہیں کر سکتا اس لئے ٹریڈر کی خریداری کے بعد بینک کا اس پر قابض ہونا شرط ہے۔ اور ٹریڈر بینک کی ملکیت میں آنا ضروری ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ **وبيع المنقول قبل القبض لا يجوز بلا خلاف بين اصحابنا** (ردائع الصنائع ج ۵ ص ۳۰۲) اس مسئلہ میں چونکہ زید نے بینک کے وکیل کے طور پر ٹریڈر خریدار اور اپنی ملکیت میں بحیثیت وکیل لے لیا اور ابھی زید اور بینک کے مابین مشتری اور بائع کی حیثیت نہیں اور نہ کوئی معاہدہ بیع طے پایا ہے تو بینک کا قبضہ بہت ہو گیا کہ ابھی زید بینک کا وکیل ہے۔



## مکانوں کی تعمیر، مرمت یا خریداری بصورتِ مشارکہ

کس ۱۵: یہ فرماتے ہیں غنائے زمین اس مسئلہ میں کہ میں محمد زین نے ایک مکان تعمیر کرنے کے لئے اسلامی بنک سے قرض لیا۔ تو بنک والوں نے کہا کہ قرض کی بجائے آپ بنک سے مکان لے میں اور اس کی دو صورتیں بیان ہیں۔

۱۔ مکان خریدنے یا بنانے کے لئے آپ ہیں فی صد رقم لگائیں اور ۸۰ فی صد رقم بنک کا لے گا اس طرح آپ بنک سے مشارکہ کر لیں۔

۲۔ یا اگر آپ کے پاس مکان کی قیمت کے میں فی صد کے برابر رقم نہیں تو پھر بنک سے اجارہ کر لیں۔

مشارکہ کی صورت یہ بنتی گئی ہے کہ اگر آپ کے پاس کچھ رقم ہے تو آپ بنک کو مکان کی تعمیر یا خریداری میں اپنا شریک بنائیں۔ اور اس طرح کہ مکان کی کل قیمت کو میں نصف حصہ آپ ادا کریں باقی ۸۰ فی صد بنک ادا کرے گا اور پھر آپ ہر ماہ یا چھوٹے چھوٹے عرصہ بعد کچھ رقم بنک کو ادا کرتے رہیں اس طرح چلتی رقم آپ بنک کو ادا کریں گے اتنا حصہ بنک کا کم ہوتا جائیگا اور آپ کا بڑھتا جائیگا تاکہ آپ مکان کے مالک بن جائیں گے۔

دوسری صورت یہ کہ آپ اجارہ کا معاملہ کر لیں اور اجارہ یہ ہے کہ آپ مکان بنک سے خرید والیں، اب بنک مالک ہوگا اور آپ اس میں کرایہ دار کے طور پر رہیں۔ جو رقم آپ کرایہ کی مد میں ادا کریں گے وہ بنک میں جمع ہوتی رہے گی اور جب اتنی ہو جائے گی جتنی مکان کی قیمت خرید تھی تو اس وقت بنک آپ کو وہ مکان بیہ کر دے گا۔

اس کے بعد اگر بنک نے یہ ٹریکٹر ایک معاہدہ بیچ کے ساتھ زید کو فروخت کر دیا اور اس میں صاف صاف لکھ کہ بنک کو یہ ٹریکٹر اتنے میں پڑا ہے، اس میں ٹریکٹر کی اصل قیمت جس پر خرید اور اس پر جو دیگر اخراجات ہوئے وہ شامل کر کے کل قیمت فرض کیجئے دس لاکھ پچاس ہزار ہوئی تو معاہدہ میں یہ بات آئی چاہئے تھی کہ بنک کو یہ ٹریکٹر دس لاکھ پچاس ہزار میں پڑا ہے اور زید کو بارہ لاکھ میں فروخت کیا جاتا ہے۔ جو آسان قسطوں کی صورت میں زید کو ادا کرنے ہیں۔

اگر یہ معاملہ اسی طرح ہوا ہے تو یہ معاملہ بیچ مراہجہ کا ہے۔ کہ مراہجہ کی تعریف میں یہ ہے کہ: المرأۃ مہد دراج و شرعاً بیع مالک بما قام علیہ و بفضلہ ویت (در تہذیب علی ہاشم المراد ۱/۱۷۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اگر بنک نے اسی طرح کیا ہے تو اس معاہدہ بیچ میں کوئی شرعی قباحت نہیں کہ مراہجہ میں قیمت خرید پر یا چھٹے میں چیز پڑی ہو اس کی وضاحت کے ساتھ اس پر نفع مقرر کر کے ادھار پر اسے فروخت کرنا جائز ہے اور یہ سوئٹس۔ کہ سود کی تعریف تو یہ ہے کہ رقم پر نفع حاصل کیا جائے اور بیچ یہ ہے کہ مال کو نفع پر بیچا جائے۔ اور مال کا نقد یا ادھار نفع کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

ویصح البیع بشمن حال و موجد باجل معلوم (مجمع الاہواج ۲ ص ۸)  
خلاصہ یہ کہ زید کا بنک سے مذکورہ بالا طریق پر ٹریکٹر خریدنا جائز ہے۔ اور اس میں زید کو جو دس ساڑھے دس لاکھ کی بجائے بارہ لاکھ روپے ادا کرنے ہیں تو وہ ٹریکٹر کی ادھار قیمت ہے جو اس نے معاہدہ بیچ میں دینا تسلیم کی ہے۔ اگر بنک زید کو رقم فراہم کرنا اور یہ کہتا کہ یہ رقم ہے تم اس سے ٹریکٹر خریدو یا ترک، ہمیں تو دس کے بارہ لاکھ واپس چاہئیں تو یہ سود کا معاملہ ہوتا لیکن بنک نے رقم قرض پر نہیں دی بلکہ ٹریکٹر خرید کر دیا ہے اور یہ ٹریکٹر کی ادھار قیمت ہے۔ اور نقد یا ادھار کوئی شئی منافع پر فروخت کرنا جائز ہے۔  
کما سبق۔ واللہ اعلم بالصواب۔

در یافتہ یہ کرتا ہے کہ کیا مذکورہ بالا دونوں یا کوئی ایک طریقہ اسلامی ہے؟ اس میں کوئی غیر شرعی معاملہ یا سود کا دھوکہ تو شامل نہیں۔ (عمر دین سکندران دولت گیت) جواب: الحمد للہ اب اسلامی بنکاری کی بنا پر سود سے اجتناب کے موافق اہل پاکستان کو ابھی میسر آ رہے ہیں۔ اگر اسلامی بنکاری کا آئین تیار ہو تو بینک مارک اپ پر قرضہ فراہم کرتے اور جسے سودی قرضہ نہیں چاہنے وہ اس سہولت سے محروم رہتا جو اسلامی بنکاری نے فراہم کی ہے۔

مذکورہ بالا سوال میں بینک کا یہ کہنا کہ قرض نہیں مکان لے لو یہی بہت خوش آئند بات ہے کہ نقد کا کاروبار ختم اور مال (commodity) کا کاروبار فروغ پا رہا ہے۔ اور یہی اسلام کا مقصد ہے کہ روپے سے روپیہ نہ کماؤ بلکہ مال سے روپیہ کماؤ۔ تجارت کو فروغ دو اور پیسے سے پیسہ کمانے کے رجحان کو ختم کرو۔

مذکورہ بالا دونوں صورتیں اسلامی بنکاری نے پیش کی ہیں اور دونوں ہی اگر اپنی اعلیٰ کیفیت کے ساتھ نافذ کی جائیں تو بڑی عمدہ ہیں۔  
۱۔ مکان کے لئے بینک سے مشارکہ کرنا:

مشارکہ یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ شریک کسی مال یا عقار (پر اپنی) میں حصہ دار بن جائیں اور وہ مال یا جگہ ان دونوں کی مشترکہ قرار پائے۔ اصطلاح فقہاء میں شرکت سے مراد:

ہی عبارة عن اختلاط نصيبين قسما عدا بحيث لا يعرف احد النصيبين من الآخر (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۷۶ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) نیز الشركة هي المعروف لغة الخلطة سمی بها العقد لانها مسببة (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۷۶)

مذکورہ سوال میں یہ بتایا گیا ہے کہ بینک نے سائل کو مشارکہ کی دعوت دی کہ وہ مکان کی خریداری میں بینک کو شریک کر لے گا یا کچھ رقم وہ سہیا کرے اور بقیہ رقم بینک سہیا

کرے گا اور عموماً اس طرح کے مشارکہ میں بینک کا حصہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس قسم کے مشارکہ کو معمول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ صورت مسئلہ میں بھی سائل نے بینک سے تعمیر مکان کے لئے قرض مانگا تو بینک نے کہا کہ قرض کی بجائے مکان لے لو اور اس نے سائل کو دعوت دی کہ وہ اس میں کچھ رقم اپنی ملاکہ مشارکہ کر لے یا اجارہ کر لے۔

مشارکہ اور اجارہ دونوں شریعت اسلامیہ میں جائز ہیں بشرطیکہ ان شرائط کا التزام کیا جائے جو مشارکہ اور اجارہ کے لئے ملے ہیں۔ مشارکہ کی یہ صورت جو مکان کی خریداری کے معاملہ میں ہے شرکت الملک سے تعلق رکھتی ہے۔ شرکت الملک کی تعریف یہ ہے کہ:

ان يكون الشئ مشتركاً بين اثنين او اكثر بسبب من اسباب التملك كالشراء، والهبة والوصية والارث او خلط الاموال او اختلاطها بصورة لا تقبل التمييز والتفريق۔ (الوجیز للامام الغزالی ۱۴۶۱)

(یعنی کوئی چیز ان اسباب ملکیت (ملک) میں سے کسی سبب سے دو یا دو سے زیادہ لوگوں کے مابین مشترک ہو، جیسے خریداری کے سبب، ہبہ، وصیت، میراث، یا اموال کے اختلاط کے سبب اور اختلاط ایسا کہ ان میں امتیاز و فرقی نہ کیا جاسکے۔)

شرکت ملک پھر دو قسم کی ہے ایک شرکت بالاختیار اور دوسری شرکت بالجبر۔ یہاں اس مسئلہ میں یہ شرکت اختیاری ہے، اور شرکت اختیاری کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ ان يجتمع الشريكان او اكثر في ملك الشئ بالاختيار (الشامی ۴/۳۰۰)

صورت مسئلہ میں مشارکہ کرنے کی صورت میں مکان کا طلب گار جس فی صد رقم کا مشارکہ کرے گا اور بینک ۸۰ فی صد کا اور مشارکہ کا معاہدہ ہو جانے کے بعد اب مکان خرید لیا جائے گا اور اس مکان کے کاغذات مشترکہ ملکیت کے کاغذات ہوں



کے۔ شریک اول (نمردین) اس مکان کے تیس فی صد حصہ کا گویا مالک ہوگا اور بنک ۸۰ فی صدہ۔ اب نمردین کو یہ مکان کرایہ پر حاصل کرنے کا ایک معاہدہ بنک سے کرنا ہوگا کہ اس مکان میں رہنا چاہتا ہے تو چونکہ شریعت اسلامیہ کی رو سے کسی شریک کا اپنی ملک میں ۱۰۰ فی صد کو استعمال کرنے کا جائزہ شریک یا شرکا اختیار ہے۔ جبکہ کہ شافی میں ہے کہ ابو تھایا: (الهیئة به والمہایة) وہی فی لسان الشرع تقسمة المنافع وانها جائزۃ فی الاعیان المشتركة التي یملک الانتفاع بها علی بقا عینہا وان التہایو قد یکون فی الزمان وقد یکون من حیث المكان.

اس طرح شریک اول ملک مشترک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس مکان میں رہے گا اور شریک ثانی یعنی بنک اگر مطالبہ کرے تو اس کو اس کے حصہ کا کرایہ ادا کرے گا۔ نیز وہ ایک مدت مقررہ جو فریقین میں طے پا جائے، کے اندر شریک ثانی (بنک) کے حصہ کو خریدنے کے لئے قسطوں میں رقم ادا کرتا رہے گا۔ اس پر اپنی کی کل لاگت کا وہ حصہ جس کا مالک بنک ہے اس کے پونٹ بنا لئے جائیں گے۔ مثلاً اگر پر اپنی اگر ایک لاکھ کی ہے اور اس میں تیس فی صد حصہ شریک اول کا ہے تو اس کے تیس پونٹ ہونے چاہئے اس کی ملکیت میں اور ۸۰ پونٹ بنک کے ہونے چاہئے جو اسی فی صد کا مالک ہے ہر پونٹ کی قیمت ایک ہزار ہو تو ۸۰ پونٹ ۸۰ ہزار کے ہونے۔ شریک ثانی برآمد یا وقفہ وقفہ سے شریک اول کے پونٹ خریدتا رہے گا اور جب ۸۰ پونٹ کی قیمت ادا کر چکا ہوگا تو معاہدہ کے مطابق شریک ثانی شریک اول کے پورے حصص کا مالک ہو چکا ہوگا اور ہوں یہ پر اپنی شریک اول کے تمام حصص ہو جائے گی۔ واضح رہے کہ مکان میں رہائش کے دوران شریک ثانی جو کرایہ ادا کرے گا ملکیتی حصوں کی خریداری کے حساب سے کرے گی یعنی باقی مشاوری سے تبدیل ہوتا رہے گا کیونکہ جس قدر شریک ثانی کی ملکیت بڑھتی جائے گی وہ مستاجر کم اور مالک زیادہ بنتا جائے گا اور اس طرح کرایہ میں تبدیلی

کی ہوتے ہوئے بالآخر ختم ہو جائے گا۔

چنانچہ اسلامی بینک کے ساتھ مل کر کہ یہ معاملہ جائز ہوگا۔ اسے مشارکہ منافعہ کہہ سکتے ہیں مشارکہ منافعہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ:

قد یشتريک المصروف مع احد العیال فی ملکیت عطار مثلاً مع الاتفاق بینہما علی ان یسدد العیال الی المصروف عدداً محدداً من الاقساط الدورية. یتنازل بالتنازل المصروف عن حصته فی المملکة للعیال الذی یصبح فی النہایة مالکاً للعقار کله (الفتاویٰ الشرعیة فی الاقتصاد - جلد ۳ ص ۵۹)

مکان حاصل کرنے کے لئے بنک کی تجویز کردہ دوسری صورت اجارہ کی ہے۔ اجارہ کے معنی ہیں کوئی چیز کرایہ پر لینا۔ جو شخص کوئی چیز کرایہ پر دے اسے اصطلاح میں موجر (Lessor) کہتے ہیں اور جو کرایہ پر کوئی چیز حاصل کرے اسے مستاجر (Lessee) کہا جاتا ہے۔ کرایہ پر دی جانے والی چیز مستاجر (Leased) کہلاتی ہے اور اس میں کو اجارہ یا لیزنگ (Leasing) کا نام دیا گیا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اجارہ کا معاملہ بیع کی طرح کا ہے کہ جس طرح بیع میں اہلیت، ایجاب و قبول، محس عقد، شرائط اور تحفید کے معاملات ہیں ویسے ہی اجارہ میں بھی ہے۔ تاہم بعض باتیں بیع اور اجارہ کی مختلف ہیں۔ ان میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اجارہ میں عقد کسی شئی پر نہیں بلکہ اس شئی سے نفع اٹھانے (منفعت) پر ہوتا ہے۔

اسلامی بنک نے جو اجارہ کا مشورہ دیا ہے وہ درست ہے جب کہ اجارہ شریعی طریقہ کے مطابق ہو اور اس میں کوئی غیر شرعی شرط نہ ہوں۔

صورت مسئلہ میں اجارہ کی صورت یہ بنے گی کہ بنک (فریق اول) نمردین (فریق ثانی) کو ایک مکان خرید کر دے گا جو نمردین کی ضرورت اور خواہش کے مطابق ہوگا۔ اور اس مکان کا مالک فریق اول (بنک) ہوگا۔ مکان کی قیمت خرید اور خریداری

کے اخراجات سمیت اس کی جو بھی لاگت آئے گی بنک ادا کرے گا اور مکان بنک کی ملکیت ہوگا۔

فریق ثانی اس مکان کو بنک سے کرایہ پر حاصل کرے گا اور اسے مکانہ حقوق حاصل نہ ہوں گے۔ مکان کا جو کرایہ بنک مقرر کرے گا فریق ثانی وہ کرایہ ادا کرتا رہیگا۔ عموماً بنک یہ کرتے ہیں کہ اجارہ کرتے وقت مستاجر سے یہ معاہدہ کرتے ہیں کہ جب مکان کے کرایہ کی مد میں اتنی رقم بنک کو وصول ہو جائے گی جو اس کی قیمت کے مساوی ہے تو یہ مکان کرایہ دار کی ملکیت میں چلا جائے گا۔ اجارہ میں ایسا کوئی پیشگی معاہدہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اگر وعدہ ہو کہ ایسی صورت میں مکان اسی کرایہ دار کو دیا جائے گا جو شروع سے مستاجر ہے تو کوئی حرج نہیں مگر اجارہ میں اس طرح کا کوئی معاہدہ (عقد) کرنا عقد بیہ یا عقد بیع کا محالہ ہوگا اور یہ صلفۃ فی حقیقت کے ذمے میں آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔ لہذا صرف زبانی وعدہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ وعدہ عقد اجارہ کو مستلزم نہیں ہوگا کیونکہ اگر اس شرط پر اجارہ کیا کہ وہ شئی جس کی منفعت کا اجارہ ہوا ہے وہ مستاجر کی ملک ہو جائے گی تو یہ شرط عقد اجارہ ہی کو باطل کر دے گی۔

ہاں البتہ اگر وعدہ کیا مگر عقد اجارہ سے قبل کیا تو عقد اجارہ کی صحت پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ بنک کو اختیار ہے کہ وہ اجارہ کی مد میں وصول ہونے والی رقم مکان کی قیمت کے برابر وصول ہو جانے پر یا مدت اجارہ مکمل ہونے پر اس مکان کو فروخت کر دے اور یہی مستاجر خرید لے یا وہ مستاجر کو مکان بیہ کر دے یا کسی اور کو فروخت کر دے۔

چنانچہ صورت مسئلہ میں اسلامی بنک سے اجازت شرعیہ کرنا درست ہے اور سودی قرض لے کر مکان تعمیر کرنے سے یہ معاملہ درجہا بہتر ہے۔ کہ وہ حرام خالص اور یہ مشروع و حلال۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## مشارکہ، استھناغ یا مضاربہ کی ایک صورت

سوال ۶: زید کا چمڑے کی جیکٹس بنانے کا کارخانہ ہے زید نے بیرون ملک ایک کمپنی سے کاروبار کی تعلق قائم کیا اس کمپنی نے اسے آرڈر دیا کہ دس ہزار جیکٹس تیار کر کے بھجوائے۔ دس ہزار جیکٹس تیار کرنے کے لئے زید کو جو میٹرل درکار ہے اور اس کے علاوہ جو اخراجات آئیں گے ان کے لئے سرمایہ نہیں اور وہ سود پر قرض لے کر یہ کام کرنا نہیں چاہتا چنانچہ اس نے ایک اسلامی بنک سے قرض حنت طلب کیا تاکہ وہ یہ کام کر سکے مگر بنک نے اسے مشورہ دیا کہ قرض حنت کی بجائے وہ بنک کو اس کاروبار میں شریک کر لے تو بنک اور زید دونوں کو نفع ہو سکتا ہے۔ اور اس میں نہ تو زید مقرر قرض ہوگا اور نہ کوئی اس کے ذمہ سود ہوگا۔ اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے کہ زید قرض سے بھی بچ جائے اور کاروبار میں بنک کو شریک کر کے کاروبار وسیع کر سکے۔

جواب: الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین اما بعد۔ زید کو جس اسلامی بنک نے یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ قرض نہ لے اور کاروبار میں شراکت قبول کر لے وہ بنک اسلامی اصولی تجارت کو گویا عوام میں مقبول بنانے میں کوشاں ہے۔ اور خود بھی جائز کاروبار میں سرمایہ کاری کر کے سود کی بجائے تجارت کے فروغ میں دلچسپی رکھتا ہے اور یہ ایک مستحسن اقدام ہے۔

صورت مسئلہ میں بنک کو زید کے کاروبار میں شراکت کے لئے مشارکہ، استھناغ یا مضاربہ کی صورت اختیار کرنا ہوگی۔



اصنعاء کی تعریف یہ ہے کہ: کوئی چیز بنانے کی طلب یا ذخیرہ کرنا یا اس کا آرڈر دینا۔ آسان لفظوں میں آرڈر پر مال تیار کروانا اصنعاء ہے اور اس میں مال تیار کرانے والا میٹرل میا کرتا ہے یا میٹرین کے لئے سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ اور جس کارخانہ دار یا کمپنی سے مال تیار کرایا جاتا ہے اسے مال تیار کرنے کی اجرت دی جاتی ہے جس میں اس کے ساتھ ایک معاہدہ ہوتا ہے اور اس معاہدہ میں مال کی کوٹنگ اور دیگر مواصفات بیان کی جاتی ہیں۔

صورت مسئلہ میں بینک زید کو اتنا سرمایہ فراہم کرے گا کہ جس سے مطلوبہ مال آسانی تیار ہو سکے اور وہ زید کے ساتھ مضاربت کر سکتا ہے کہ سرمایہ بینک کا اور محنت زید کی۔

مضاربت کی صورت میں زید مضارب اور بینک رب المال ہوگا اور مال تیار ہونے پر یہ مال زید مذکورہ پارٹی کو سپلائی کرے گا اور حاصل شدہ منافع میں بینک اور زید طے شدہ تناسب سے شریک ہوں گے۔

یا بینک زید سے اصنعاء کر سکتا ہے کہ مال تیار کرا کر اور مال پر قبضہ کرنے کے بعد وہ مال زید ہی کو منافع پر فروخت کر دے اور پھر زید یہ مال اس پارٹی کو فروخت کرے جس نے مال کا آرڈر دیا تھا۔

یہ طریقہ کار شریعت کے اصول تجارت کے مطابق ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ اس سے بینک اور زید دونوں سودی قرض کے لین دین اور سودی کاروبار سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور حلال تجارت کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

## مراجہ اور سودی قرض میں فرق

سوال ۷: اسلامی بینکوں میں جاری بیع مراجہ اور سودی قرض کے معاملہ میں بظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: بیع مراجہ اور سودی قرض میں بہت بنیادی فرق ہے اور وہ یہ کہ بیع مراجہ بیع ہے اور سودی قرض ربوی معاملہ ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واحل اللہ البيع و حرم الربوا۔

بیع مراجہ میں یہ ہوتا ہے کہ بینک کسی شخص کے ساتھ سامان کی (بیع) خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے اور وہ اس طرح کہ بینک کسی شخص یا کمپنی یا ادارے سے کوئی سامان خریدتا ہے۔ اور اسے اپنی ملکیت میں لینے کے بعد فروخت کے لئے پیش کرتا ہے۔ اگر وہی ادارہ یا شخص یا کمپنی اس سے وہ سامان لینا چاہے تو اس کے ساتھ فروخت کا یہ معاملہ ہوتا ہے اور بینک اپنے ترغیوں پر اسے یہ سامان فروخت کر دیتا ہے اور طے شدہ منافع سے زائد بینک بطور منافع کچھ نہیں لے سکتا۔ یہ سامان کی بیع ہے اور بیع کتاب و سنت میں مشروع ہے۔

جبکہ قرض کا معاملہ یہ ہے کہ کوئی شخص یا ادارہ بینک سے ایک مدت مقررہ پر کاروبار کے لئے نقد روپیہ ادھار پر لیتا ہے اور بینک اسے یہ بتا دیتا ہے کہ اس روپیہ پر اتنی مدت کے لئے اتنے فی صد سود اسے ادا کرنا ہوگا۔ یہاں کوئی سامان یا مال موجود نہیں بلکہ براہ راست پیسے پر بیع وصول کرنا ہے اور یہی وہ عین سود اور حرام ہے۔ جسے زمانہ جاہلیت سے ربا النسیئہ کہا جاتا ہے۔

شریعت مطہرہ کا منشا یہ ہے کہ لوگ سرمایہ پر سرمایہ نہ وصول کریں اور نقد کو جنس تجارت نہ بنائیں بلکہ اجناس تجارت کا کاروبار کریں اور نقد کو ذریعہ تبادلہ رہے دیں۔

## اسلامی بینکوں اور غیر اسلامی بینکوں کے

### مابین لین دین

سوال ۸: اسلامی بینک غیر اسلامی بینکوں کے ساتھ خاص طور پر بیرونی کرنسی بینکوں کے ساتھ کس طرح معاملات کریں گے؟

جواب: غیر اسلامی بینکوں کے ساتھ اسلامی بینکوں کو معاملات کا اب خاصا تجربہ ہو چکا ہے۔ خاص طور پر امپورٹ ایکسپورٹ کے حوالے سے۔ اسلامی بینکوں کو یہ کرنا ہوگا کہ وہ دوسرے بینکوں کے ساتھ لین دین کے باہمی معاملات میں یہ معاہدہ کریں کہ وہ اپنے فراہم کردہ سرمایہ یا گارنٹی پر کوئی سود لیں گے اور نہ ہی انہیں ادا کریں گے۔ اور یہ تعامل بالمشکل کی ایک صورت ہوگی۔ اور اس طرح کا تعامل اسلام میں جائز ہے اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسلم و غیر مسلم کا آپس میں لین دین اگر بلا سود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ صدر اسلام میں ہوتا رہا ہے۔ مسلمان غیر مسلم اقوام سے اسی اصول پر تجارت کرتے رہے ہیں۔ سود چیز کی مثل دے دینا۔

### اسلامی بینکاری اور بڑے منصوبے

سوال ۹: کیا اسلامی بینکاری ملک کے بڑے بڑے منصوبوں میں سرمایہ کاری کرنے سے قائل ہے یا صرف کارپوریشن کی حد تک ہی محدود ہے؟

جواب: اسلامی بینکاری ملک کے بڑے بڑے منصوبوں میں سرمایہ کاری کرنے کے قائل ہے بشرطیکہ جو اسلامی بینک سرمایہ کاری کر رہا ہے اس کے پاس اتنا بڑا سرمایہ موجود ہو۔ ایک سے زائد بینک مل کر بھی سرمایہ کاری کر سکتے ہیں۔ اسے ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں مثلاً۔ سول ایوی ایشن اتھارٹی کسی بھی بڑے شہر میں ایک نیا ایئر پورٹ تعمیر کرنا چاہتی ہے جس کی لاگت فرض کیجئے کئی بلین روپے ہے تو اسلامی بینک اور سول ایوی ایشن اتھارٹی کے مابین احصاء کا معاہدہ ہو سکتا ہے۔ اس میں اتھارٹی بینک سے ایئر پورٹ تعمیر کر کے اپنے کا مطالبہ کرے گی اور بینک اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے اتھارٹی کے ساتھ احصاء کا معاہدہ کرے گا۔ اس معاہدہ میں ایئر پورٹ کی مالیت طے ہو جائے گی کہ کھلی ایئر پورٹ تمام ضروری لوازمات کے ساتھ جو آرگنائزیشن کے مہیا کردہ نقشے کے مطابق ہوں گی، کتنے سرمایہ میں بینک تعمیر کروا کر دے گا۔ پھر بینک اپنے طور پر کسی ایسی بڑی فرم کو ایئر پورٹ بنانے کا ٹھیکہ دے گا جس کے کام سے سول ایوی ایشن اتھارٹی مطمئن ہو۔ اور اس فرم کو بینک سرمایہ فراہم کرتا رہے گا۔ ایئر پورٹ کی تعمیر مکمل ہونے پر بینک ایئر پورٹ کو اتھارٹی کے حوالہ کر دے گا اور اس سے معاہدہ میں طے شدہ شیڈول کے مطابق طے شدہ رقم وصول کر لے گا۔



اس سے بھی بڑا پروجیکٹ کسی بڑی شاہراہ (موٹروے) کی تعمیر کا ہو سکتا ہے جس کی مالیت کروڑوں اربوں روپے ہو اس میں بینک نہ صرف استحصال کر سکتا ہے بلکہ مشارک بھی کر سکتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ حکومت یہ موٹروے اتھارٹی کے ساتھ شراکت کی بنیاد پر شاہراہ تعمیر کی جائے اور اس شاہراہ کی تعمیر پر خرچ آنے والا سرمایہ حکومت اور بینک مل کر لگائیں اور اس سے حاصل ہونے والی آمدن (موٹروے ٹیکس وغیرہ) میں حکومت اور بینک شریک ہو جائیں۔ پھر اس میں مشارک متناقصہ کی بنیاد پر بینک اپنا حصہ حکومت کو بہترین فروخت کرتا رہے اور حکومت بالآخر موٹروے کی مالک بن جائے۔

## انشورنس کی شرعی حیثیت

سوال ۱۰: کیا اسلام میں انشورنس کرنا حرام ہے؟

آج کل جب کہ حکومتیں لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کرنے سے قاصر ہیں اور متعدد اسلامی ملکوں میں لوٹ مار، چوری، لکھتی اور قتل و غارتگری کا بازار گرم ہے کسی کی عزت و آبرو محفوظ ہے نہ مال و جان، ایسے میں انشورنس کرنا ناجائز ہی رہے گا؟ انشورنس کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے آخر کیوں؟ اور اس کی کوئی جائز صورت بھی ہے یا نہیں؟

جواب: الحمد للہ رب العالمین وہ نستعین

آپ کے سوال کا جواب قدرے تفصیل سے پیش خدمت ہے۔ سوال کو درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- ۱۔ کیا رائج الوقت نظام انشورنس ناجائز ہے؟
- ۲۔ معروضی حالات میں انشورنس کے جواز کی صورت؟
- ۳۔ رائج الوقت انشورنس کے حرام ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟
- ۴۔ انشورنس کی کوئی جائز صورت؟

ان تمام سوالوں کا جواب دینے سے قبل انشورنس کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا اس کے مقاصد و مفاسد جاننا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ اسلام انسانوں کی جان و مال کی حفاظت کا حکم دیتا ہے اور اس سلسلہ میں فرد و جماعت کی ذمہ داریوں کا

تعیین کرتا ہے۔ وہ کسی بھی مرحلہ زندگی میں انسان کو بے آسرا نہیں چھوڑتا اور نہ اندھیرے میں رکھتا ہے۔ انشورنس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ انسانوں کی فلاح کا ایک پروگرام اور انجیم ہے۔ اس کے واضعین نے اس کے جو مقاصد بیان کئے ہیں ان میں اہم مقصد مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے لئے قلمی از درود مصیبت اس کا اہتمام کرنا ہے۔ چنانچہ بیمہ کمپنیوں کے ایجنٹ اور کارندے جو مختلف لوگوں کو بیمہ کے بارے میں آگاہی فراہم کرتے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ لوگوں کی تکالیف کے ازالہ، حادثات کی صورت میں پیش آمدہ مالی مشکلات کا حل اور باہمی تعاون سے ایک دوسرے کی مدد بیمہ کا اصل مقصد ہے۔

انشورنس کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے الفاظ یہ ہیں۔

Insurance is a device to handle risk its primary function is to substitute certainty for uncertainty as regards the economic cost of disasterous events. Insurance may be defined more properly as a system under which the insurer for a consideration, promises to reimburse the insured or to render services to the insured in the event that certain accidental occurrences result in losses during a given time period. (The New Encyclopaedia Britanica 15th edition vol 9 p.45)

انشورنس کی اس تعریف میں اس کا بنیادی مقصد نہایت واضح ہے۔ مگر یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے جن مفاسد سے گزرنا ہوتا ہے وہ بیمہ کی اصل روح (تعاون) کے خلاف اور برعکس ہیں بلکہ ان میں کئی ایک عناصر اسلام کے نظام عدل سے متصادم ہیں۔ جیسے سودی معاملات، قمار (جوا) اور غرر (دھوکہ) خاص طور پر نمایاں ہیں۔

فقہاء کرام کو اللہ تبارک و تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے اور ان کے مراتب کو بلند فرمائے کہ انہوں نے ہماری رہنمائی کے لئے پہلے ہی ایسے رجحان اصول مرتب فرمائے کہ رہتی دنیا تک جن سے ہدایت کی روشنی ایک جہاں کو منور کرتی رہے گی۔ فقہاء کرام نے اجتہاد (تحقیق و جستجو۔ ریسرچ) کا دروا کیا اور تکیہ، پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کی راہیں متعین کیں۔ اسلام کا ماضی گواہ ہے کہ جب بھی کبھی علماء اسلام کے سامنے نئے مسائل آئے دو فوراً ان میں تحقیق و جستجو کرنے لگے اور انہوں نے اپنے متبعین کو ریسرچ کا عادی بنانے کی بھرپور کوشش کی۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس تحقیق کا شہرہ پورے عالم اسلام میں تھا جہاں ہزار ہا مسائل پر تحقیق کا کام ہوا۔ آج بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ جدید مسائل پر اسی انداز سے تحقیق کرنے کا کام ہو جس انداز سے ہمارے اسلاف نے کیا۔

انشورنس جدید مسائل میں سے ایک ہے۔ آپ نے جو یہ کہا کہ کیا انشورنس کرنا ناجائز ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ چونکہ انشورنس کمپنیاں متعین پر بیمہ والا تجارتی انشورنس، کرتی ہیں اور یہ ایک ایسا عقد ہے جو صریحاً دھوکے پر مبنی ہے اور دھوکہ دہی اسلام میں حرام ہے۔ لہذا شرعاً انشورنس کمپنیوں کا یہ عقد، عقد فاسد ہے۔ علامہ عبدالحکیم شرف صاحب نے بیمہ کی شرعی حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے: بیمہ کا معاہدہ بیع ہے۔ مستحسن جو رقم قسط وار ادا کرتا ہے وہ معاہدہ ہے اس تحفظ کا جو مومن کی جانب سے ادا کیا جاتا ہے اور یہ تحفظ بیمہ کی رقم کی ادائیگی کی صورت میں ہوتا ہے۔ مستحسن بروقت صرف ایک قسط ادا کرتا ہے باقی اس کے ذمہ دین ہے اور بیمہ کی رقم مومن کے ذمہ دین ہے اس طرح یہ معاہدہ بیع الدین پر مشتمل ہے۔

اس معاہدے میں کئی وجہ سے غرر پایا جاتا ہے۔

۱۔ بیمہ زندگی کے علاوہ تمام اقسام بیمہ میں معاہدہ کے وقت بیمہ کی رقم موجود اور



متعین نہیں ہوتی جب تک خطرہ واقع نہ ہو جائے اس کی تعین نہیں ہوتی یہ غررنی الوجود المتعین ہے۔

۲۔ بیمہ زندگی کے علاوہ باقی قسموں میں مدت بیمہ گزر جانے کے باوجود حادثہ پیش نہیں آتا تو بیمہ کی رقم سوخت ہو جاتی ہے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا یہ غررنی الحصول ہوا۔

۳۔ زندگی کے بیمہ کے علاوہ اقسام میں اگرچہ رقم کی زیادہ سے زیادہ مقدار معین کر دی جاتی ہے لیکن نقصان ہونے پر نقصان کے تناسب سے معین کی جاتی ہے یہ غررنی المقدار ہے جب کہ بیمہ کی قسط فوری طور پر ادا کر دی جاتی ہے۔

۴۔ بیمہ کی تمام قسموں میں بیمہ کی قسط ادا کرنے کا وقت مقرر ہوتا ہے جب کہ بیمہ کی رقم ادا کرنے کا وقت متعین نہیں ہوتا، کیونکہ موت اور حادثہ کا وقت متعین طور پر ہمیں معلوم نہیں ہے، یہ غررنی الاصل ہے۔

پھر یہ عقد، قمار بھی ہے جیسے کہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ (جلد ہفتم ص ۱۱۳) میں فرمایا ہے۔

اس میں رہا کا پہلو بھی موجود ہے کیونکہ مستامن نے ہتھی رقم جمع کروائی ہے اس پر بیمہ کمپنی کے قواعد کے مطابق معین نفع بھی دیا جاتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ اعزیز سے سوال کیا گیا کہ کیا ہندوستان کے اہل حرب سے رہا لینا جائز ہے؟ خواہ ہندو ہوں یا نصاریٰ۔

اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا:

۱۔ بحمدہ تعالیٰ ہندوستان دارالاسلام ہے۔

۲۔ رہا کے بارے میں حق یہ ہے کہ مطلقاً ناجائز ہے، کیونکہ نصوص تحریم مطلق ہیں۔

۳۔ باقی رہا دارالحرب میں زائد مال کا لینا و رہا ہے ہی نہیں، کیونکہ رہا مال معصوم

میں ہوتا ہے اور دارالحرب والوں کا مال معصوم نہیں ہے۔

۴۔ یہ حکم ہر حربی غیر مستامن کو شامل ہے، اگرچہ دارالاسلام میں ہو، کیونکہ دارومدار معصوم نہ ہونے پر ہے اور عدم عصمت سب کو شامل ہے۔ ہم پر ان کے ساتھ صرف نذر (دھوکہ) جائز ہے، اس کے بغیر ان کا مال جس عنوان سے بھی لے لیا جائے جائز ہے، کیونکہ یہ مال مباح لیا گیا ہے (شرط یہ ہے کہ یہ نیت نہ ہو کہ میں سود لے رہا ہوں، ورنہ ناجائز ہوگا)۔

۵۔ اس کے باوجود بطور تنبیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حربی غیر مستامن سے زائد مال اعلانیہ لے گا اگرچہ وہ صحیح نیت کے ساتھ لے گا، لیکن عوام اس پر رہا خوری کا الزام لگائیں گے، چونکہ تہمت کے مقامات سے بچنا چاہیے اس لیے دینی حیثیت رکھنے والے حضرات کو اس سے بچنا چاہیے۔ (ترجمہ عربی عبارت ملخصاً)

(فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۱۱۵)

اس کے باوجود دوسری جگہ بیمہ سے متعلق سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت داخل نہیں، ایسی جگہ

مفقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی ہے وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح

اجتناب نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں، لہذا اجازت نہیں، کماحقہ

المحقق علی الاطلاق فی ففتح القدیر۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۱۱۳)

عقد بیمہ کو خان خطر طریق یا ضمان ورک پر قیاس کرنے کا سوال تو اس وقت ہوگا

جب بیمہ میں غرر فاحش، قمار اور رہا وغیرہ مفاسد نہ پائے جائیں، ان کے ہوتے

ہوتے قیاس اور الحاق کا کیا فائدہ ہوگا؟

علامہ ابن عابدین شامی نے سوکرہ کی جو صورت بیان کی ہے اس میں تو انھوں

نے ہلاک ہونے والے مال کا معاوضہ لینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

والذی یظهر لی انه لا یحل لکما جبر الخذلک بدل الیہا لک من عائدہ لان  
منالشرام ما لا یزلم (رد المحتار جلد ۳ ص ۲۷۳)

نیکوں سے بچنا ایسا امر نہیں ہے انسان حالت اضطرار کو پہنچ جائے اور اس کے  
لئے ناجائز امور کا ارتکاب جائز ہو جائے۔

قانونی اعتبار سے یہ کہ کرانا لازمی ہو تو ضرورت پہنچنے کیلئے یہ کہ کر لیا جائے اور ساتھ  
ہی لکھ دیا جائے کہ میں یا میرا وارث اتنی ہی رقم لے گا جتنی کہ جمع کر دانی ہوگی۔

(الف) جب یہ عقد ناجائز ہے تو اضافی رقم لینے والا گنہگار ہوگا بات چاہیے کہ  
زمانہ رقم غریب میں تقسیم کر دے۔

فسادات میں ناحق ضائع ہونے والے جان و مال کا معاوضہ قرار دیکر اضافی رقم کا وصول  
کرنا اور اپنے مصارف میں خرچ کرنا ایک ناجائز کام کا دروازہ کھولنے کے مترادف  
ہے، نیز نقصان کسی کا ہو اور معاوضہ کوئی دوسرا وصول کرے یہ بھی خلاف معقول ہے۔

(ب) اس سوال کا جواب سوال نمبر ۴ کے جواب میں آچکا ہے۔

البتہ ایسی انشورنس جو تعاونی ہو اور جس میں دھوکہ فریب سود اور قمار نہ ہو اور  
شرعاً اور بھی کوئی چیز یا کوئی عقد اس کا قاسد نہ ہو تو ایسی انشورنس جائز ہوگی مثلاً یہ کہ  
انشورنس کا مقصد اگر عاقلہ کے نظام پر ایک انجمن امداد یا ہی قائم کر کے نقصانات کی خلافی  
کی راہ نکالنا ہے تو ایسی انجمن کا ممبر بن کر تعاونی یہ کہ یا انشورنس کرانے میں کوئی بات  
حرمت کی نہیں۔ البتہ انشورنس کمپنیاں جس طرز پر انشورنس کے نظام کو بے کری چل رہی  
ہیں چونکہ اس میں واضح طور پر سود، قمار، اور غریبی قباحتیں موجود ہیں اس لئے آنکھ بند  
کر کے کسی بھی انشورنس کمپنی سے انشورنس کر لینا درست نہیں۔

معروضی حالات میں جب کسی کی جان و مال اور آبرو محفوظ نہیں نہ املاک کی  
حفاظت کا کوئی معقول انتظام ہے، ایسے میں بعض عباد نے انشورنس کے موجودہ نظام ہی

سے مستفید ہونے کی اجازت دی ہے مگر شرط یہ لگائی ہے کہ متبادل میسر آنے تک مجبوراً  
اس نظام میں انشورنس کرانا لازمی ہو تو کرائی جائے۔

علامہ کرام کا فرض ہے کہ قوم کو سودی نظام معیشت اور سودی و قماری نظام  
انشورنس کی صرف حرمت ہی نہ بتائیں بلکہ اس سے نکلنے کا مکمل نظام بھی وضع کریں اور  
اسلامی بنکاری کی صحیح شرعی اسکیم بنائیں۔ نیز اسلامی انشورنس کا مکمل میٹ اپ تیار  
کر کے دیں اور پھر اپنے اثر و رسوخ سے اسلامی انشورنس کمپنیاں پرائیویٹ طور پر قائم  
کر دائیں۔ تاکہ قوم کو سودی نظام سے نجات مل سکے۔

سردست انشورنس کا متبادل تکافل ہے جسے اسلامی انشورنس کہا جاسکتا ہے۔  
چنانچہ تکافل کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک کمپنی تکافل کے نام پر قائم کی  
جائے جیسا کہ ملائیشیہ عرب امارات سوڈان اور کویت وغیرہ میں ہیں۔ اس کمپنی کا کام یہ  
ہو کہ یہ انشورنس کا متبادل فراہم کرے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ انجمن امداد یا ہی کی طرز  
پر ایک انجمن ہو جو لوگوں سے تبرعات وصول کرے۔ ہر شخص جو اس انجمن کا ممبر بننا چاہتا  
ہو ایک مخصوص رقم جو انجمن مقرر کرے گی بطور تبرع ہر ماہ جمع کرائے گا۔ اور اس تبرع  
میں اس کی نیت یہ ہوگی کہ جو لوگ اس انجمن کے ممبر ہیں ان میں سے اگر کسی کو ضرر لاحق  
ہو تو عاقلہ کے قدیم نظام کے مطابق اس رقم سے اس کی مدد کی جائے۔ انجمن یہ طے  
کر سکتی ہے کہ مثلاً کسی ممبر کے انتقال کی صورت میں اس کے لواحقین کو دس لاکھ روپے۔  
کسی ممبر کی گاڑی چوری ہونے یا مکمل تباہ ہونے کی صورت میں گاڑی کی بلیٹ کے لحاظ  
سے مثلاً پانچ دس چار لاکھ روپے۔ (جو بھی طے شدہ ہو) گھر میں آگ لگنے یا دکان  
وغیرہ کے کسی آسانی یا زبانی آفت کی صورت میں نقصان کے اندازے کے لحاظ سے  
ایک مخصوص رقم۔ یعنی ہذا النقیاس۔

ممبر کی جمع شدہ رقم چونکہ تبرعات کی رقم ہے ممبر کا اس پر اب کوئی حق ملکیت



کا نہیں تاہم وہ اس کے امین ہوں گے بایں صورت کہ یہ سب کی جمع کردہ رقم ہے اور سب اس کے امین ہیں۔ ان ممبرز میں سے مکافل کمپنی ایک انتظامیہ کمپنی بنا سکتی ہے جو اس سارے سرمایہ کا حسب رکنے اور اس سرمایہ کو کاروبار میں لگائے۔ کمپنی ملازمین رکھ سکتی ہے اور یوں حاصل شدہ سرمایہ مضاربیت یا مشارکت پر کسی جائز کاروبار میں لگایا جاسکتا ہے۔ اس کاروبار سے حاصل شدہ نفع بھی اسی انجمن کے حاکماتے میں جمع ہوتا ہے۔ حج اور ممبرز کے اضرار کی تلافی کے ساتھ ساتھ کم ہونے کی بجائے بڑھتا رہے گا۔ اس سرمایہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک حصہ آئندہ پیش آمدہ اضرار کی تلافی کے لئے، دوسرا ضروری اخراجات کے لئے، تیسرا ممبرز کو پانس یا ہدیہ کے طور پر دینے کے لئے۔ اس طرح مکافل کمپنی انجمن امداد یا ہبی کی طرز پر منافع بخش کاروبار بھی کر سکے گی اور انشورنس کا متبادل بھی لوگوں کو میسر آ جائے گا۔ اور یہ شریعت مطہرہ کے منشاء کے مطابق ہے کہ اس میں تعاون علی البر والتقویٰ کی روح موجود ہے۔ اور حکم ربانی ہے **وَتَعْلَمُونَ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعْلَمُونَ عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** (المائدہ ۲۰۵) ڈاکٹر عبدالمعتمد الہدراوی نے اپنی کتاب **التأمين في القانون المصري والمقارن** میں لکھا ہے: **والتأمين التعاوني باشكائه ومنه التأمين على الحياة جائز شرعيا. بل هو امر مرغوب فيه لانه يدخل في عقود التبرعات ومن قبيل التعاون المطلوب شرعا على البر والخير كما هو موضح في قوله تعالى وياتفاق الفقهاء. وهو من مظاهر التكافل والتضامن في الاحداث والمحن. التأمين في القانون المصري والمقارن. ص ۴۰۳۶**

اس کی جزئیات میں غور کریں تو نہ شرعا تبرع کی ممانعت ہے۔ نہ تبرعات کی رقم سے جس مقصد کے لئے تبرعات جمع ہوئے (یعنی ممبرز کی عند الضرورة بندوبست)

اس میں تبرعات کے خرچ کرنے کی ممانعت ہے۔ اور نہ اس سرمایہ کو مضاربیت و مشارکت کے جائز شرعی کاروبار میں لگانے کی ممانعت۔ پھر اس سرمایہ سے ممبرز کو ہدیہ دینے کی کوئی شرعی ممانعت ہے اور نہ اس سارے نظام کو چلانے والے ملازمین کو تنخواہیں ادا کرنے کی ممانعت۔ مکافل کمپنی یہ کر سکتی ہے کہ ہر ممبر سے ممبر سازی کے وقت سروس چارج وصول کرے۔ تاکہ وہ یہ سارا نظام قائم کر سکے۔

اس طرح کی تعاونی و کافلی انشورنس میں نہ کوئی مفاسد ہیں نہ غرر اور قمار یا رہا کی کوئی صورت ہے۔

## رطب و یابس (مجموعہ مقالات و مضامین)

اس کتاب میں ڈاکٹر شاہنواز صاحب کے حسب ذیل مقالات و مضامین شائع ہوئے ہیں۔

### قرآن و سنت سے متعلق مضامین

- ۱۔ انکار القرآن
- ۲۔ قرآن غیر مسلمانوں سے نفرت کا درس نہیں دیتا
- ۳۔ نبی اکرم ﷺ بحیثیت علم و فاضل
- ۴۔ نقشِ تعلیم رسول ﷺ کی برکات

### فقہی مضامین

- ۵۔ اسلامی نظامِ حدود و تحریرات کی حکمت
- ۶۔ دم کرائے پر لینے کی شرعی حیثیت
- ۷۔ شفا گو تحریک اور شہادت کے تقاضے
- ۸۔ رمضان المبارک تاریخی تناظر میں
- ۹۔ نماز تراویح چند نوچہ طالب پہلو
- ۱۰۔ تعداد و رکعت تراویح
- ۱۱۔ ماہِ رجب کی مذہبی و تاریخی اہمیت
- ۱۲۔ علامہ ابنِ سلام ہروی رحمہ اللہ
- ۱۳۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی انکار و نظریات

### شخصیات و بلاد پر مضامین

- ۱۴۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور مولانا فضل حق خیر آبادی
- ۱۵۔ علامہ محمد ابو زہرہ مصری
- ۱۶۔ الشیخ علی طحاوی
- ۱۷۔ علامہ الشیخ عبدالقادر البغدادی
- ۱۸۔ ڈاکٹر عبدالجواد خلف اور جامعہ الدراسات الاسلامیہ
- ۱۹۔ جہد مسلسل کی کہانی
- ۲۰۔ پروغائی میں اسلام
- ۲۱۔ دور ویز و بیلا میں اسلام
- ۲۲۔ عمان سلطان قابوس کی قیادت میں

### مختلف النوع

- ۲۳۔ انسانیت کی ہستی
- ۲۴۔ مقصد تعلیم پاکستان
- ۲۵۔ عربی مدارس کے لاکھوں طلبہ سوال کرتے ہیں
- ۲۶۔ دینی مدارس میں درجہ بندی کا نقصان
- ۲۷۔ نظامِ تعلیم ایک جائزہ
- ۲۸۔ جنگِ خلق کے خفیہ گوشے
- ۲۹۔ سعودی عرب کا سیاسی بحران ٹل گیا
- ۳۰۔ تہذیب آگئی
- ۳۱۔ زوال امت مسلمہ یا آزمائش
- (یہ مقالات ہر شہر کے معروف کتب خانہ اور مجلہ فلاح اسلامی کے دفتر سے دستیاب ہیں)

## کاغذی کرنسی

کی

تاریخ۔ ارتقاء۔ شرعی حیثیت

ترجمہ

عبداللہ سلیمان المنجی

ترجمہ

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز



فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اُردو بازار، کراچی۔



## پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب کی دیگر کتب و رسائل

تاریخ غلام احمد	کاغذی کرسی کی شرعی حیثیت
کریٹ ڈرا (تاریخ، تعارف، شرعی حیثیت)	کلوننگ (حادثات، اثراتی نقطہ نظر)
امام و خطیب کی شرعی و معاشرتی حیثیت	مختصر نصاب سیرت
مختصر نصاب فقہ	مختصر نصاب قرآن
مختصر نصاب حدیث	الذی یس شریح صحیح مسلم
روزہ رکھئے مگر!	قریبانی کیسے کریں
آسمان و مختصر دعا کیں	لوگ کیا نہیں کہے؟
نزدیکی ربانی	مکتبہ مباحث علوم القرآن
پندرہویں صدی کا مجدد کون؟	شیراز کے کاروبار کی شرعی حیثیت
رہلب وی ایس (مجموعہ مضامین)	بچکوں کے ذریعہ کوفہ کوئی کی شرعی حیثیت
مطلق توں؟ فتویٰ کس سے لیں؟	اسلامی بینکاری اور سودی بینکاری میں فرق
یہ جنگ (اجراء)	چند منتخب معاملات کی شرعی حیثیت
مسئلہ ختم نبوت اور تعارف قادیانیت	جدید فقہی مسائل اور ان کا مجوزہ حل